حج عظیم نماز

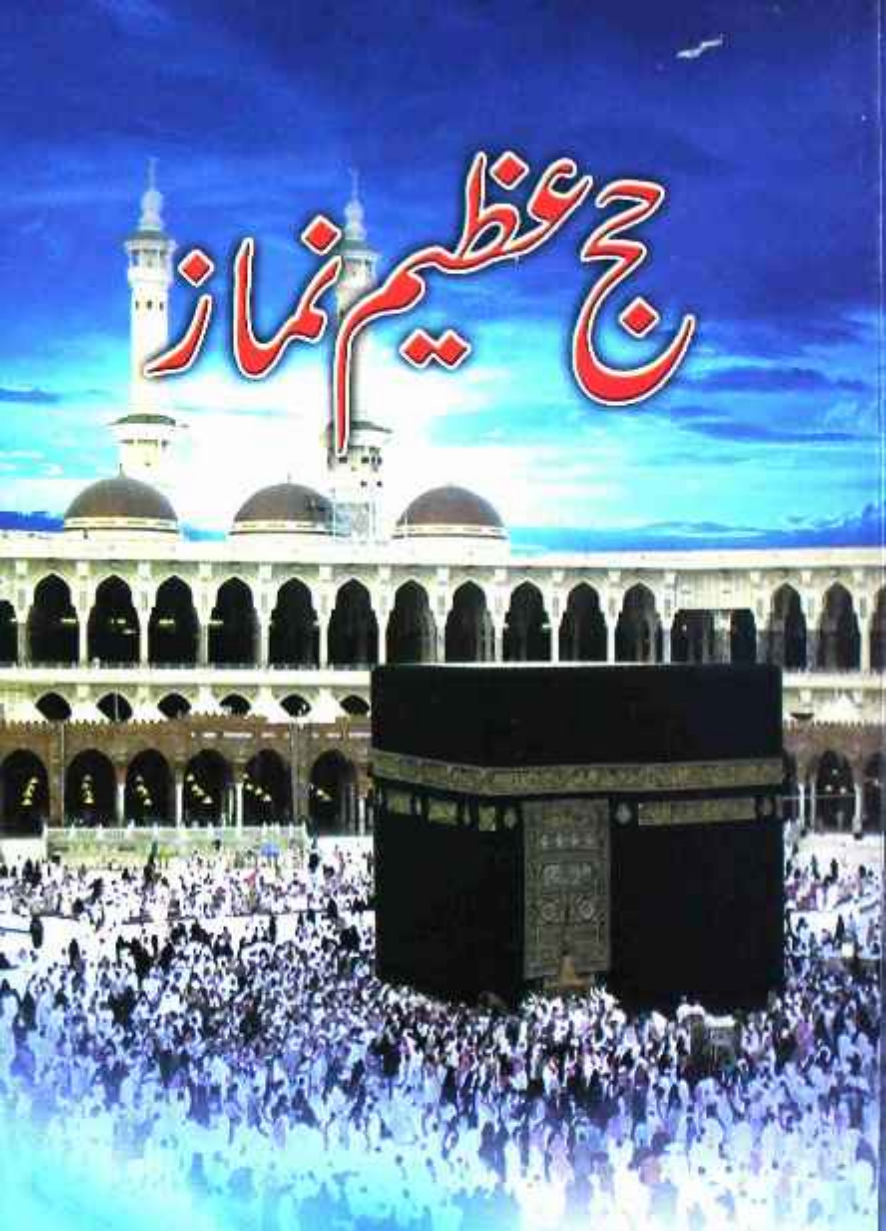

ڈاکٹر غلام علی حداد عادل

حج عظیم نماز

تالیف
ڈاکٹر غلام علی حداد عادل

ترجمہ
سید کوثر عباس موسوی

یکے از مطبوعاتِ
دار التقلین
پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳-کراچی ۷۴۶۰۰-پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

DARUSSAQLAIN
P.O. Box No. 2133.
Karachi-74600 Pakistan

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: حج عظیم نماز
تالیف: ڈاکٹر غلام علی حداد عادل
ترجمہ: سید کوثر عباس موسوی
تصحیح: بشیر عالمی
ٹائٹل ڈیزائنگ: سجاد حسین
ناشر: دارالثقلین
طبع اوّل: ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ اکتوبر ۲۰۱۰ء
قیمت: ۵۰ روپے

فہرست

عرضِ مترجم ۵
حرفِ اوّل ۷
پیش لفظ ۱۱
مقدمہ ۱۵
پہلی ملاقات ۱۹
احرام، عظیم نماز کا آغاز ۲۵
وقوفِ عرفات ۳۳
ایک رات مشعر الحرام میں ۴۳
منیٰ ۴۷
قربانی ۵۷
حلق یا تقصیر ۶۳
ہنگامۂ طواف ۶۵
سعی ۷۵
طوافِ نسا ۷۹
الوداعی ملاقات ۸۵
عظیم نماز ۸۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مترجم

محترم جناب ڈاکٹر غلام علی حداد عادل کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں' ان کا شمار اسلامی جمہوریہ ایران کی مشہور و معروف علمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ ایک طویل عرصے سے اپنے ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کے لیے کوشاں ہیں اور بیک وقت کئی میدانوں میں سرگرم عمل ہیں۔ اپنی تمام تر اجتماعی اور سیاسی سرگرمیوں کے باوجود آپ کئی کتب کے مصنف' مؤلف اور مترجم بھی ہیں۔ اب تک آپ درجنوں نصابی اور غیر نصابی کتب کی تصنیف و تالیف کے علاوہ قرآنِ مجید اور مابعد الطبیعیات کے مستقبل پر معروف جرمن فلسفی ''ایمانول کانٹ'' کی مشہور تصنیف کا ''تمہیدات'' کے نام سے فارسی زبان میں ترجمہ کر چکے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب' جس کا فارسی نام ''حج نمازِ بزرگ'' ہے' اس میں فاضل مؤلف نے حج کے اجتماعی اور انفرادی اثرات پر روشنی ڈالنے کے علاوہ' اعمالِ حج میں سے ہر عمل کے بعض اسرار و رموز کو انتہائی سادہ اور عام فہم انداز میں تحریر کیا ہے۔ جناب حداد عادل نے اپنی کتاب میں قرآنی آیات اور اقوالِ معصومینؑ کے علاوہ فارسی زبان کے مشہور شعرا کے کلام سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔ کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر' بعض احباب کی خواہش پر اس کا اردو ترجمہ ''حج عظیم نماز'' کے نام سے کر کے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

محترم قارئین سے گزارش ہے کہ اگرچہ ترجمے کی صحت' روانی اور سلاست کے سلسلے میں بقدرِ

استطاعت بھرپور کوشش کی گئی ہے' لیکن پھر بھی کوئی کمی نظر آئے' تو اسے مترجم کے قلمی نقص پر محمول کرتے ہوئے' اس نقص سے آگاہ فرمائیں' تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے دور کیا جاسکے۔

آخر میں' میں اپنے ان تمام دوستوں کا تہ دل سے ممنون و مشکور ہوں' جنہوں نے اس کتاب کی تصحیح' نظر ثانی اور ٹائٹل ڈیزائننگ وغیرہ میں تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

سید کوثر عباس موسوی

حرفِ اوّل

حجِ ابراہیمی اور وحدتِ اسلامی

دنیا اور دنیاوی عوامل میں سے کوئی بھی چیز محورِ اتحاد نہیں بن سکتی۔ کیونکہ دنیا خود اختلاف اور انتشار کا باعث ہے۔ پس ایسا ہے تو پھر وحدت اور اتحاد کا محور کیا چیز ہے؟

قرآنِ مجید میں آیاتِ الٰہی پر ایک نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ جو چیز دلوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیتی ہے اور انسانی معاشرے کو یک رنگی اور یک جہتی عطا کرتی ہے وہ حق اور حقانیت کی پیروی ہے اور تمام حقائق کا محور اور سرچشمہ ذاتِ باری ہے جو خود قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

''ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَایَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ۔''

''یہ سب اس لیے ہے کہ خدا معبودِ برحق ہے اور اس کے علاوہ جس کو بھی یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور اللہ بلند و بالا اور بزرگ و برتر ہے۔''

(سورۂ لقمان ۳۱۔ آیت ۳۰)

حق کے مفہوم کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جو ثابت اور لازوال ہو۔ یہ بات پیش

نظر رکھتے ہوئے کہ یہ دنیا بقا کے لیے خلق نہیں کی گئی اور اس کی ہر شئے فنا پذیر ہے لہٰذا صرف اور صرف ذات بے ہمتائے الٰہی اور اس سے وابستہ چیزیں ہی باقی رہنے والی ہیں:

''کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَام.''

''جو بھی روئے زمین پر ہیں سب فنا ہو جانے والے ہیں صرف تمہارے رب کی ذات جو صاحب جلال و اکرام ہے وہی باقی رہنے والی ہے۔''

(سورۂ رحمٰن ۵۵۔ آیت ۲۶،۲۷)

اور کیونکہ انسان کو فطرتاً حق پسند اور حق کی طرف جھکاؤ رکھنے والا پیدا کیا گیا ہے لہٰذا جب تک وہ حق کی طرف گامزن ہو اُس نے اپنے آپ کو بقا کے قریب اور فنا سے دور کیا ہے کیونکہ: ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ لِلْبَقَاء.''

دین مبین اسلام میں انسان کو باطل سے چھٹکارا دلانے اور حق کی درست پہچان کے لیے بکثرت واجبات اور عبادی اعمال کا حکم دیا گیا ہے جو اجتماعی یا انفرادی صورت میں انجام دیے جاتے ہیں اور محرمات سے پرہیز کی تاکید کی گئی ہے جو سب کے سب اس بات کا سبب بنتے ہیں کہ انسان ذکر خدا اور یاد خدا کے ذریعے جو حق کا واضح ترین مظہر بلکہ عین حق ہے باطل سے دور ہو جائے۔

اعلیٰ ترین عبادی اعمال جو انسانوں کو حق کے قریب اور باطل سے دور کرتے ہیں وہ عبادتیں ہیں جو اجتماعی طور پر انجام دی جاتی ہیں کیونکہ انسانوں کا یوں اکٹھے ہونا خود حق کے لیے ایک ایسا جذبہ اور عظمت ایجاد کرتا ہے جو شک میں مبتلا دلوں کو باطل سے دور کر کے حق کا گرویدہ بنا دیتا ہے۔

حج ان اعلیٰ ترین عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے جو اسلامی معاشرے کے منتخب افراد پر واجب کی گئی ہے اور اس کے وجوب کے مقاصد اور اس کے اعمال کی ساخت پر ایک نگاہ ڈالنے سے بخوبی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ حج ابراہیمی ایک وحدت آفریں عبادت ہے جو اس بڑے اسلامی معاشرے کو جو مختلف رنگ و نسل و زبان رکھنے والی اقوام پر مشتمل ہے یکجا کرتی اور یکساں صورت

اور اعمال پر مبنی انتہائی خوبصورت اور قابلِ دید مناسک وضع کر کے ایک یک رنگ اور یک شکل معاشرہ بناتی ہے' جس میں بسنے والے انسانوں کا ظاہر و باطن باہم پیوستہ ہے' اور جو کچھ ذاتِ احدیت کے سوا ہے اُس کی نفی کر کے توحید پرستوں کی ایک صف واحد کا مظاہرہ کرتی ہے۔

تمام مناسکِ حج اور اس کے مختلف مراحل میں' توحید اور عبودیتِ ذات احدیت موجزن ہے' اور شرک اور اُس کے مظاہر کی نفی کی جاتی ہے۔ خواہ اس کے دوران خانۂ کعبہ جس کا چار کونوں پر مشتمل ہونا تسبیحاتِ اربعۂ الٰہی سے ماخوذ ہے' کے گرد طواف ہو' اور خواہ صفا و مروہ کے درمیان سعی' جو ایک تاریخی واقعے سے ماخوذ ہے' جو اپنے آپ کو فدا کر دینے اور درگاہِ الٰہی میں امید و بیم کا مظہر ہے' اور خواہ اس کے دوران کیے جانے والے وقوف ہوں' خواہ اس میں کی جانے والی قربانی اور خواہ شیطان کے مظاہر پر سنگ باری۔ یہ سب کے سب انسان کو توحید اور وحدانیتِ الٰہی سے جوڑتے ہیں' اور خدا کے سوا جو کچھ بھی ہے' اُس پر خطِ بطلان کھینچتے ہیں۔ اور یہی امر حجاج میں ایک نورانیت اور معنویت ایجاد کرنے کا سبب بنتا ہے' اور اُن کے درمیان ہمدلی اور ہم رنگی پیدا کرتا ہے' وہ ہم رنگی جو رنگِ الٰہی سے لی گئی ہے:

"صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً."

"رنگ تو صرف اللہ کا رنگ ہے اور اس سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔"

(سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۱۳۸)

اسی بنا پر دشمن کی کوشش ہے کہ حج اور اس کے عبادی اعمال کو اُن کی حقیقت اور معنویت سے جدا کر دے' اور انہیں صرف چند ایسے بے روح اعمال میں بدل ڈالے جن کا مقصد بس اپنے اوپر ایک واجب فریضے کا بوجھ سر سے اُتارنا ہو۔

اگر حج کے موقع پر اکٹھے ہو جانے والے یہ لاکھوں مسلمان' حج کی معنویت اور اس کی روح کے ساتھ جڑ جائیں' تو اس عظیم الشان اجتماع میں شریک افراد میں ایسی نورانیت پیدا ہو جائے' کہ جس کی موج ہر قسم کے شرک اور استکباری مظاہر پر خطِ انکار و تنسیخ کھینچ دے۔

زیرِ نظر کتاب "حج' عظیم نماز" جو ایران کے ایک معروف اسکالر جناب ڈاکٹر غلام علی حداد

عادل کی تالیف ہے' اسرارِ حج سے شناسائی کے سلسلے میں تشنگانِ معرفت کے لیے ایک بہترین تحفہ ثابت ہوگی۔ دورِ حاضر میں جبکہ ہمارے جوانوں میں مختلف ذرائع سے لادینیت اور بے راہ روی پیدا کرنے کی کوششیں جاری ہیں' نیز دینی عبادات کی حقیقی معنویت اور ان کے اجتماعی فلسفے سے دور رکھنے کے لیے بھی گوناگوں ہتھکنڈوں سے کام لیا جارہا ہے' اُمید ہے کہ اس قسم کی کتابیں دشمن پر مکروفریب کے دروازے بند کرنے کا ایک ذریعہ ثابت ہوں گی' اور ہماری نسلِ جوان حج سمیت دوسری عبادات اور اسلام کی عبادی اور اجتماعی تعلیمات سے آشنا ہو کر ایک سچی اور اچھی مسلمان اور انسانیت کے نجات دہندہ اس مکتب کی مبلغ بنے گی۔

سید حسین تقی زادہ

ڈائریکٹر جنرل: خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران۔ کراچی

پیش لفظ

یہ کتاب سفر نامۂ حج نہیں کہ جس میں یہ بتایا جائے کہ ہم کب روانہ ہوئے' کب پہنچے' کیا دیکھا' کیا کہا اور کیا سنا' اور نہ ہی یہ کتاب حج کے فقہی احکام پر مشتمل ہے کہ جس شخص کے پاس موجود ہو اسے مناسکِ حج سے بے نیاز کر سکے۔ البتہ اس میں مناسکِ حج کے قدم بہ قدم چلتے ہوئے اعمالِ حج کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ یہ واضح کیا جا سکے کہ حج کا اس کے ظاہر سے ماورا ایک باطن بھی ہے۔ لہٰذا حج کے جتنے بھی اعمال ہیں وہ سب کے سب انسان کی روح کی تربیت کے لیے ہیں۔ راقم الحروف نے یہ جاننے کے باوجود کہ حج کے اسرار و رموز کا بیان اس کے بس کی بات نہیں' اپنی استعداد کے مطابق حج کے بعض رموز کو مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب میں حج کو ایک عظیم نماز سے تشبیہ دی گئی ہے' جسے ہر اس مسلمان پر جو استطاعت رکھتا ہو اپنی پوری زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ انجام دینا واجب ہے' تاکہ وہ اس عظیم نماز کو اپنی یومیہ نمازوں کے لیے نمونہ قرار دے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حج کی حقیقت اور اس کے باطن کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہماری مثال اس انسان کی سی نہ ہو جسے کوئی اور شخص کئی گھنٹوں سے اپنے ہاتھ کی انگلی کے اشارے سے آسمان پر چاند دکھا رہا ہو اور وہ آسمان کی طرف دیکھنے کی بجائے اس شخص کی انگلی کی طرف

دیکھتا رہے۔ مناسب ہے کہ یہاں مولانا رومی کا ایک قول نقل کریں مولانا فرماتے ہیں: ''اپنا رخ چراغ کی طرف کرو چراغ دان کی طرف نہیں۔'' کیونکہ اگر چراغ' چراغ دان میں نہ ہو تو یا تو بجھ جاتا ہے یا سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

غلام علی حداد عادل

''فَرَضَ عَلَيْكُمْ حَجَّ بَيْتِهِ الْحَرَامِ، اَلَّذِى جَعَلَهُ قِبْلَةً لِلْاَنَامِ، يَرِدُوْنَهُ وُرُوْدَ الْاَنْعَامِ، وَيَأْلَهُوْنَ اِلَيْهِ وُلُوْهَ الْحَمَامِ، وَجَعَلَهُ سُبْحَانَهُ عَلَامَةً لِتَوَاضُعِهِمْ لِعَظَمَتِهِ، وَاِذْعَانِهِمْ لِعِزَّتِهِ. وَاخْتَارَ مِنْ خَلْقِهِ سُمَّاعاً اَجَابُوْا اِلَيْهِ دَعْوَتَهُ، وَصَدَّقُوْا كَلِمَتَهُ، وَوَقَفُوْا مَوَاقِفَ اَنْبِيَائِهِ، وَتَشَبَّهُوْا بِمَلَائِكَتِهِ الْمُطِيْفِيْنَ بِعَرْشِهِ، يُحْرِزُوْنَ الْاَرْبَاحَ فِى مَتْجَرِ عِبَادَتِهِ، وَيَتَبَادَرُوْنَ عِنْدَهُ مَوْعِدَ مَغْفِرَتِهِ. جَعَلَهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى لِلْاِسْلَامِ عَلَماً، وَلِلْعَائِذِيْنَ حَرَماً، فَرَضَ حَقَّهُ، وَاَوْجَبَ حَجَّهُ، وَكَتَبَ عَلَيْكُمْ وِفَادَتَهُ، فَقَالَ سُبْحَانَهُ: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ.''

''پروردگار نے تم لوگوں پر حج بیت الحرام کو واجب قرار دیا ہے' جسے لوگوں کے لیے قبلہ بنایا ہے اور جہاں لوگ پیاسے جانوروں کی طرح بے تابانہ وارد ہوتے ہیں اور ویسا انس رکھتے ہیں جیسا کبوتر اپنے آشیانے سے رکھتا ہے۔ حج بیت اللہ کو مالک نے اپنی عظمت کے سامنے جھکنے کی علامت اور اپنی عزت کے ایقان کی نشانی قرار دیا ہے۔ اس نے مخلوق میں سے ان بندوں کا انتخاب کیا ہے جو اس کی آواز سن کر لبیک کہتے ہیں اور اس کے کلمات کی تصدیق کرتے ہیں۔ انہوں نے

انبیا کے مواقف میں وقوف کیا ہے اور طواف عرش کرنے والے فرشتوں کا انداز اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ اپنی عبادت کے معاملے میں برابر فائدے حاصل کر رہے ہیں اور مغفرت کی وعدہ گاہ کی طرف تیزی سے سبقت کر رہے ہیں۔

پروردگار نے کعبہ کو اسلام کی نشانی اور بے پناہ افراد کی پناہ گاہ قرار دیا ہے۔ اس کے حج کو فرض کیا ہے اور اس کے حق کو واجب قرار دیا ہے۔ تمہارے اوپر اس گھر کی حاضری کو لکھ دیا ہے اور صاف اعلان کر دیا ہے کہ: اللہ کے لیے لوگوں کی ذمے داری ہے کہ اس کے گھر کا حج کریں، جس کے پاس بھی اس، اہ کو طے کرنے کی استطاعت پائی جاتی ہو۔" (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱)

مقدمہ

حج ایک عجیب اور حیرت انگیز عبادت ہے' ایک انتہائی پیچیدہ' مشکل' طولانی اور راز و رموز اور اسرار آمیز اشارات سے لبریز عبادت' جو کاملاً ایک تمثیلی اور علاماتی صورت کی مالک ہے۔ لیکن جو چیز خود حج سے بھی زیادہ مشکل اور اہم ہے' وہ حج کے اسرار و رموز کو سمجھنا ہے۔ ادیانِ عالم میں ایسے بہت سے مقدس مقامات ہیں جو ان ادیان کے پیروکاروں کو اپنی زیارت کی طرف کھینچتے ہیں' لیکن ان تمام ادیان میں خصوصاً آج کی دنیا میں حج کو ایک خاص امتیاز اور تشخص حاصل ہے۔

ظاہراً یہ صرف اسلام ہی ہے جس نے اپنے پیروکاروں کو یہ حکم دیا ہے کہ چاہے وہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں رہتے ہوں مستطیع ہونے کی صورت میں اپنی پوری زندگی میں سال کے ایک معین مہینے کے معین دنوں میں کرۂ ارض کے ایک مخصوص حصے میں جمع ہو کر اجتماعی طور پر ایک معلوم اور مخصوص عبادت انجام دیں۔ دنیا کے بڑے اور مشہور ادیان جیسے عیسائیت' یہودیت' بدھ مت وغیرہ میں ایسی عالمگیر دینی اور اجتماعی عبادت کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔

حج نہ صرف حاجی کی زندگی کو بدل ڈالتا ہے' بلکہ اسے بالکل ایک نیا انسان بنا دیتا ہے اور ایک عرصے تک اس کے معمولات کو تبدیل کر دیتا ہے۔ آج جبکہ لوگ سفر کے تیز رفتار ذرائع سے استفادہ کرتے ہیں (حاجی کے روضۂ رسول کی زیارت کے لیے مدینۂ منورہ میں قیام کی مدت کو بھی حساب میں شامل کیا جائے تو) حج کا سفر تقریباً ایک مہینے پر محیط ہوتا ہے۔ اگر سفر سے پہلے کے

مقدمات اور سفر سے واپسی کے پروگراموں کو بھی شامل کیا جائے تو اس سے بھی زیادہ وقت لگتا ہے۔ موٹر کار اور ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے یعنی گزشتہ چودہ سو سال سے لے کر آج سے ستر اسی سال پہلے تک بہت سارے لوگوں کے لیے حج ایک ایسی عبادت تھی جس میں ایک سال سے بھی زیادہ کا عرصہ لگتا تھا۔ جو شخص حج کی ادائیگی کے لیے نکلتا تھا اسے کبھی تو سمندر کی خطرناک موجوں اور طوفانوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا تو کبھی ایسے بے آب و گیاہ گرم اور جھلسا دینے والے تپتے ہوئے صحراؤں سے گزرنا پڑتا تھا جہاں پیاس کی شدت سے مسافر کی موت کا خطرہ رہتا تھا یہاں تک کہ کہا جاتا تھا "اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ السَّقَرِ" یعنی سفر جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔ وہ مسلمان جو سمرقند اور کاشغر میں رہتے تھے یا جو لوگ انڈونیشیا اور ملیشیا میں زندگی بسر کرتے تھے ان کے لیے کسی ایسے سفر پر نکلنا دور جدید کے یورپی مہم جو سیاحوں کے سفر سے کم خطرناک نہیں ہوتا تھا۔

لیکن حج صرف ایک ایسے سفر کا نام نہیں کہ جس میں چند دنوں کے لیے اپنے شہر اور گھر بار سے دور کسی اور جگہ اقامت اختیار کی جائے۔ بلکہ یہ خود ایک قسم کی زندگی ہے جو روزمرہ زندگی سے یکسر مختلف ہے۔ حج حاجی کے کھانے پینے سے لے کر اس کے سونے اور جاگنے تک کے ٹائم ٹیبل کو بدل دیتا ہے۔ وہ حاجی کے جسم سے اس کا روزمرہ کا لباس ٹوپی اور جوتے تک کو اتروا دیتا ہے یہاں تک کہ اگر حاجی مرد ہو تو اس کے سر کے بال بھی منڈوا دیتا ہے اور اس کے چہرے کو ہی بدل ڈالتا ہے۔ حج حاجی کو چھت کے نیچے سے نکال کر کھلے آسمان تلے لے آتا ہے۔ حد یہ ہے کہ حج میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلقات کو بھی منقطع کر دیتا ہے اور وہ شخص جس نے ممکن ہے اپنی پوری زندگی میں کبھی کوئی مرغی تک ذبح نہ کی ہو اسے ہاتھ میں چھری اٹھا کر حیوان ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

حج عبادی اعمال کے ایک مجموعے کا نام ہے جس کی کڑیاں ایک لمبی زنجیر کی کڑیوں کی مانند آپس میں جڑی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ہر عمل کو اپنے معین وقت اور اپنی مخصوص جگہ پر صحیح طریقے سے انجام دینا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے ایک کڑی بھی اپنی جگہ سے ہل جائے یا ایک عمل بھی اپنے مقررہ وقت اور جگہ پر انجام نہ پائے تو اعمال کی اس زنجیر میں خلل واقع ہو جائے گا جس کے نتیجے میں حاجی کی ساری زحمتیں بے کار چلی جائیں گی اور ممکن ہے اسے

کفارے کی شکل میں ایک بھاری جرمانہ بھی ادا کرنا پڑے جس کی ادائیگی اس کے لیے دشوار ہو۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ حج ایک قسم کی زندگی ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ حج میں حاجی کی روزمرہ زندگی اور عبادت آپس میں اس طرح گھل مل جاتے ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ایسا نہیں ہے کہ حاجی اپنے روزمرہ معمولاتِ حیات جاری رکھتے ہوئے چند منٹوں یا چند گھنٹوں کے لیے کسی کونے میں بیٹھ کر اپنے آپ میں کھو جائے کوئی دعا پڑھے اور اس طرح اپنی معمول کی زندگی جاری رکھتے ہوئے حج کا فریضہ بھی ادا کر دے۔ حج انسان کی زندگی کے بنیادی امور میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے لیے یہ تعین کر کے کہ اسے کیسا لباس زیبِ تن کرنا چاہیے کیسا جوتا پہننا چاہیے کیسی بات زبان سے نکالنی چاہیے وہ نسبتاً معمول کے کام جو وہ اپنی روزمرہ زندگی میں انجام دیتا تھا اسے انجام نہیں دینا چاہئیں اور یہ پابندیاں لگا کر کہ اسے رات کہاں گزارنی چاہیے اور کہاں نہیں بسر کرنی چاہیے خود ایک علیحدہ زندگی بن جاتا ہے۔ حاجی اپنی معمول کی زندگی وقتی طور پر ترک کر کے ایک نئی زندگی اختیار کر لیتا ہے جسے حج کہتے ہیں۔

اگرچہ دیگر تمام عبادات کی طرح حج کی روح بھی اس کی نیت پر موقوف ہے۔ حاجی حج کے نام سے جو بھی اعمال انجام دیتا ہے ضروری ہے کہ انہیں عبادت کے طور پر اور قصدِ قربت کے ساتھ انجام دے اس صورت میں کہا جاتا ہے کہ حج مکمل طور پر ایک عینی حقیقت ہے۔

اس کتاب میں ہم نے حج کو "عظیم نماز" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ یہ نام رکھ کر ایک نئی اصطلاح وضع کریں اور کہیں کہ نماز حج ہے اور حج نماز ہے بلکہ ہمارے نزدیک ان دونوں عبادات کا مستقل (اور الگ الگ) ہونا مسلّم اور معلوم ہے۔ حج کے لیے "عظیم نماز" کی تعبیر سے استفادے سے ہمارا مقصد ان دونوں عبادتوں کے درمیان آپس میں پائی جانے والی شباہت ہے ایسی شباہت جسے آپ آگے چل کر ملاحظہ فرمائیں گے کہ بے وجہ نہیں۔ ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ نماز کے زاویے سے حج پر نگاہ ڈالی جائے ہم چاہتے ہیں کہ حج کو نماز کی نظر سے دیکھیں اور نماز کے مانوس معانی اور مفاہیم کی مدد سے حج پر روشنی ڈالیں اور اس نور کی کرنوں سے حج کے مفاہیم کو روشن کریں۔

حج اور نماز کے درمیان پائے جانے والے رابطے کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ کیا ایسا نہیں کہ ہم صبح و شام دن میں پانچ مرتبہ دنیا کے چاہے کسی کونے میں رہتے ہوں کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے ہیں؟ اب اگر ہمیں کبھی یہ موقع ملے کہ ہم کعبہ پہنچ جائیں تو ہمیں کیسے نماز پڑھنی چاہیے؟ ہم تو اپنی ساری زندگی کعبہ کو دیکھے بغیر ہی اس کے عشق میں مبتلا ہیں اگر کسی روز کعبہ کو قریب سے دیکھیں تو کیا محسوس کریں گے؟

بادہ درد آلود شان مجنون کند صاف اگر باشد ندانم چون کند(۱)

ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے حج کی انجام دہی کی تمام تر پیچیدگیوں کے باوجود خود حج سے زیادہ حج کے اسرار و رموز کو سمجھنا مشکل ہے۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ نماز سے حج کی طرف آتے ہوئے نماز کے ان اسرار و رموز کو جنہیں ہم جانتے ہیں وسیلہ بنا کر ہم حج کے اسرار و رموز کو سمجھنے اور حج کی حقیقت سے نزدیک ہونے کی راہ میں کچھ پیش قدمی کر سکتے ہیں۔ البتہ کسی بھی صورت میں ہم حج کے اسرار و رموز کشف کرنے کے دعویدار نہیں لیکن جو کوشش ہم نے کی ہے اس میں ہم نے ابتدا ہی سے ایک نکتے کو ایک مسلّم اصول کے طور پر پیشِ نظر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی عقلانی تفسیر کی جا سکتی ہے جو عقلی سوالوں کے جواب دے سکتی ہے۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ان عجیب اور حیرت انگیز اعمال جیسے (کعبہ کے گرد) طواف (صفا اور مروہ کے درمیان) سعی بیتوتہ اور رمی جمرات کے پیچھے ایک معقول اور گرانقدر مقصد پوشیدہ ہے۔ ان ظاہری حرکات کا ایک باطن بھی ہے اور تعقل و تفکر کے ذریعے ان کے ظاہر سے باطن تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ البتہ یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ حج کی باطنی حقیقت اور اس کے مقصودِ الٰہی کو سمجھ سکے۔ اہم بات یہ ہے کہ ایک ایسا راستہ ضرور موجود ہے اگرچہ ہم جیسے مسافر اس راستے کو اس کے آخر تک طے نہیں کر پاتے ہیں۔

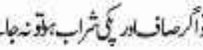

۱۔ ان کی کچی شراب بھی مجنوں کو دیوانہ بنا دیتی ہے تو اگر صاف اور پکی شراب ہو تو نہ جانے کیا ہوگا۔

پہلی ملاقات

تویی برابر من یا خیال در نظرم؟(۱)

فقہ اسلامی کے احکام کے مطابق ہر وہ مسلمان جو مکہ مکرمہ کا باشندہ نہ ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت بعض معین مقامات (میقاتوں) سے ''مُحرِم'' ہو اور ایک عمل انجام دے جسے ''عمرہ'' کہتے ہیں۔

عمرہ حج ہی کے بعض اعمال پر مشتمل ہے۔ اگر مسافر حج کے دنوں میں مکہ میں داخل ہو تو جو عمرہ وہ انجام دیتا ہے اسے ''عمرۂ تمتع'' کہتے ہیں۔ عمرۂ تمتع پانچ مشخص اعمال پر مشتمل ہے: احرام، طواف، نمازِ طواف، سعی، تقصیر۔ تقصیر کے بعد حاجی حالتِ احرام سے خارج ہو جاتا ہے اور نو ذی الحجہ کا انتظار کرتا ہے، تاکہ ایک مرتبہ پھر سے ''مُحرِم'' ہو کر مفصل اور زیادہ اعمال انجام دے جسے ''حجِ تمتع'' یا عام الفاظ میں ''حج'' کہتے ہیں۔

اس طرح جب حاجی پہلی مرتبہ مکہ پہنچتا ہے، تو ''احرام کے لباس'' میں اس شہر میں قدم رکھتا ہے اور عمرے کے اعمال کی انجام دہی کے لیے مسجد الحرام، جس میں خانۂ کعبہ بھی ہے جاتا ہے۔ اسی موقع پر کعبہ سے اس کی پہلی ملاقات ہوتی ہے۔

۱۔ میرے سامنے تو ہے یا تیرا تصور ہے۔

ایسا شخص جو سالہا سال سے دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہوتا' نماز کے وقت کعبہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو جاتا تھا اور وقتاً فوقتاً اس گھر کو اپنے ذہن میں بھی مجسم کرتا تھا' اب وہ شخص ایک طویل راستہ طے کر کے مکہ پہنچتا ہے' اور مکہ کی شاہراہوں سے ہوتے ہوئے مسجد الحرام تک جا پہنچتا ہے اور جب اچانک اس کی نظر خانۂ کعبہ پر پڑتی ہے' تو یہ پہلا دیدار اس کے اندر ایک ایسی حالت پیدا کر دیتا ہے جسے آسانی سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

کعبہ پر پہلی نظر اس قدر شیریں ہے کہ اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس موقع پر حاجی (کعبہ سے مخاطب ہو کے کہتا ہے) کیا یہ تم ہی ہو جس کی طرف میں برسہا برس سے ہزاروں میل کے فاصلے رُخ کر کے کھڑا ہو جاتا تھا اور نماز میں اپنے خدا کی عبادت کرتا تھا؟ کیا تم وہی ہو جس تک پہنچنے کے لیے میں نے اپنے شہر' وطن اور گھر بار کو چھوڑ کر گرمی' سردی اور راستے کی طرح طرح کی صعوبتوں کو برداشت کی ہے؟ کیا واقعی ایک طویل عرصہ کعبہ کی یاد میں رہنے اور ایک طولانی راستہ طے کرنے کے بعد اب کعبہ میری نگاہوں کے سامنے ہے؟

حاجی اس پہلی ہی ملاقات میں کعبہ کا عاشق ہو جاتا ہے اور اس گھر کی محبت اس کے دل میں اس طرح گھر کر لیتی ہے کہ اسے وہاں سے نکالا نہیں جا سکتا۔ پرانے زمانے کے قصّوں کی کتابوں جیسے ''امیر ارسلان'' کی کہانی میں ایک عبارت بار بار دُہرائی گئی ہے۔ اس کہانی کا ہیرو یعنی 'امیر ارسلان'' جب اپنی محبوبہ یعنی ''فرخ لقا'' تک پہنچتا ہے تو پہلی ہی نظر میں اس کا ایک مرتبہ نہیں بلکہ سو مرتبہ عاشق ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حاجی بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی وہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ سو مرتبہ اس کا عاشق ہو چکا ہے۔ خوشی کے مارے اس کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو جاتی ہیں' مسرت سے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں' ایک ایسے بچے کی طرح جو اپنی ماں سے بچھڑ کر گھنٹوں سرگردانی اور دربدری کے بعد اپنی ماں کو پا لیتا ہے' اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتا اور یوں اشکِ شوق بہاتے ہوئے حاجی کعبہ کو اپنے دل میں بسانے کی کوشش کرتا ہے۔

کعبہ کیا ہے' جو حاجی کے دل کو اس طرح کر دیتا ہے؟ کعبہ 12×10.5 اور 15 میٹر

اونچائی کا ایک سادہ سا چوکور کمرہ ہے۔ یہ ایک ایسا کمرہ ہے جسے کالے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ اس کا ایک دروازہ ہے جو اندر کی طرف کھلتا ہے۔ یہ کمرہ سیاہ غلاف سے مزین ہے جس کے اوپر کے حصے میں چھت کے نزدیک ایک سطر میں قرآنی آیات نقش کی گئی ہیں۔ اس کمرے کے چاروں میں سے ایک کونے میں کالے رنگ کا ایک پتھر نصب ہے' جسے ''حجر اسود'' کہتے ہیں اور اس کمرے میں جو حیرت انگیز کشش پائی جاتی ہے وہ درحقیقت اسی پتھر کی وجہ سے ہے۔

خانۂ کعبہ کوئی عالی شان عمارت نہیں ہے' ظاہراً یہ کوئی سو میٹر بلندی پر مشتمل ایک تین منزلہ عمارت کے برابر ہے۔ اگر اس گھر کا قدیم زمانے کی باقی رہ جانے والی معروف عمارتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے' تو ان کے مقابلے میں یہ انتہائی سادہ اور چھوٹا سا گھر ہے۔ اس حوالے سے اس حقیقت پر توجہ کافی ہے کہ تین اہرام مصر میں سے ہر ایک ہرم کا مجموعی رقبہ تقریباً پچاس ہزار مربع میٹر ہے' لیکن اس چھوٹے اور سادہ سے گھر (کعبہ) میں ایک عجیب اور حیرت انگیز کشش پائی جاتی ہے' اس گھر کی سادگی کا راز یہ ہے کہ یہ توحید کی علامت اور اس کی نشانی ہے اور توحید کی نشانی جس قدر سادہ ہو اتنی ہی توحید کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ کعبہ کی مثال ایک طاقتور مقناطیس کی سی ہے جو انسانوں کو لوہے کے ذرات کی طرح اپنی طرف کھینچ کر انہیں اپنے گرد گردش دیتا ہے۔

کعبہ ایک سیاہ نگینے کی طرح مسجد الحرام کے درمیان چمکتا ہے۔ مسجد الحرام جس میں خانۂ کعبہ بھی ہے' اس پر دیگر مقدس مقامات کے برخلاف چھت نہیں ہے' مسجد الحرام کی چھت آسمان ہے' اور حاجی جب کعبہ سے آسمان پر نگاہ ڈالتا ہے' تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے سامنے لامتناہی آفاق ہیں اور وہ ابدیت سے متصل ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی اس تعمیر اور مسجد الحرام اور خانۂ کعبہ کی اس ترکیب کی پوری تاریخِ اسلام میں دنیا کے کسی بھی حصے میں تقلید نہیں کی گئی اور مسلمانوں نے شعوری طور پر اس منفرد طرزِ تعمیر کو کعبہ کے ساتھ ہی مخصوص کر دیا ہے۔

عالمِ اسلام میں ''حرم'' بہت ہیں' لیکن مسجد الحرام کی بات ہی کچھ اور ہے۔ مسجد الحرام تمام حرموں کا حرم ہے۔ مسجد الحرام اور دیگر حرموں کے تقدس کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا فاصلہ دیگر حرموں اور عام مکانات کے تقدس کے درمیان پایا جاتا ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی مقدس

مقامات ہیں' ان کا تقدس توحید کی وجہ سے ہے' اور کعبہ توحید کا مرکز ہے۔ دنیا میں پائی جانے والی ہر مسجد کی مقدس ترین جگہ اس کی محراب ہوتی ہے' لیکن ان تمام مساجد اور تمام محرابوں کو اس لیے تقدس حاصل ہے کہ ان کا رُخ کعبہ کی جانب ہے' مسجدوں میں تمام لوگ محرابوں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور محرابوں کا رُخ کعبہ کی طرف ہوتا ہے' کعبہ محرابوں کی محراب ہے۔ مولانا روم ایک رات خواب میں دیکھتے ہیں کہ وہ خانۂ کعبہ میں محراب کو تلاش کر رہے ہیں' انتہائی تعجب کے ساتھ کہتے ہیں:

دوش خوابی دیده ام خود عاشقان را خواب کو

کاندرون کعبه می جستم که آن محراب کو (۱)

کعبه جانها نه آن کعبه که چون آنجا رسی

درشب تاریک گوئی شمع یا مهتاب کو (۲)

(۳)بلکه بنیادش ز نوری کز شعاع نور او

نور گیرد جمله جانها لیک جان را تاب کو (۳)

(۴)درمیان باغ حسنش می پر ای مرغ ضمیر

کایمن آباد است آنجا دام یامضراب کو (۴)

۱۔ گزشتہ رات میں نے ایک خواب دیکھا تھا لیکن عاشقوں کو نیند کہاں آتی جو خواب دیکھتا (اور اس خواب میں) کعبے کے اندر میں تلاش کر رہا تھا کہ اس کی محراب کہاں ہے۔

۲۔ (میرا مقصود) وہ کعبہ ہے جو روح کا کعبہ ہے' وہ کعبہ نہیں کہ جب تم رات کے اندھیرے میں وہاں پہنچو تو اسے دیکھنے کے لیے شمع یا روشنی طلب کرو۔

۳۔ بلکہ اس (کعبہ) کی بنیاد تو ایک ایسے نور پر رکھی گئی ہے جس کی شعاعوں سے تمام انسانوں کی روحیں منور ہو جاتی ہیں لیکن ان روحوں میں اس نور کو برداشت کرنے کی طاقت کہاں ہے۔

۴۔ اس خوبصورت باغ میں اے مرغِ ضمیر پرواز میں مشغول ہو جا' کیونکہ یہاں امن ہی امن ہے یہاں کسی قسم کے جال یا شکار کا خوف کہاں ہے۔

(۱)چون زشورستان رفتی سوی بستان جان
جز گل وریحان ولاله وچشمه های آب کو (۱)

(۲)چون هزاران حسن دیدی کان نبد از کالبد
پس چرا گوئی جمال فاتح الابواب کو (۲)

(۳)چون به وقت رنج ومحنت زود می یابی درش
باز گوئی او کجا درگاه اورا باب کو (۳)

مسلمانانِ عالم جو ہر صبح وشام دنیا کے مختلف حصوں میں ایک دوسرے سے دور کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اب جب کعبہ کے نزدیک کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے ہیں تو اس گھر کے چاروں طرف صف بستہ ہو جاتے ہیں اس کے گرد حلقہ بنا لیتے ہیں، کوئی کعبہ کی ایک جانب کھڑا ہوتا ہے تو کوئی کعبہ کی دوسری طرف۔ اگرچہ ظاہراً ایسا لگتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں نہیں ان میں کوئی تضاد اور تصادم نہیں بلکہ سب کے سب کعبہ کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں۔

کعبہ جغرافیائی لحاظ سے دنیا کے تمام مسلمانوں کا مقدس اور معنوی قطب ہے۔ قدرتی جغرافیہ میں زمین اپنی حرکت کے دوران ایک محور کے گرد گھومتی ہے اور وہ محور کرۂ زمین کو دو حصوں یعنی قطب شمالی اور قطب جنوبی میں تقسیم کرتا ہے اور سارے نصف النہار اس قطب سے گزرتے ہیں اور سارے مدار اس قطب کے گرد حلقے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ کعبہ بھی اسی طرح ہے۔ وہ

۱۔ جب تم بیابان سے نکل کر چمن میں پہنچ گئے ہو تو پھر وہاں گل ریحان لالہ اور پانی کے چشموں کے علاوہ کیا ہے۔

۲۔ تم نے تو بغیر جسم کے ہزاروں حسن کا مشاہدہ کیا ہے پھر بھی یہ کہتے ہو کہ فاتح الابواب (یعنی اللہ تعالیٰ) کا حسن وجمال کہاں ہے۔

۳۔ مشکل اور مصیبت کے وقت تو تم جلد ہی اس کے در کو پا لیتے ہو لیکن پھر بھی کہتے ہو کہ وہ کہاں ہے اس کی درگاہ کا دروازہ کہاں ہے۔

سارے نمازی جو دنیا کے کسی بھی حصے میں حالتِ نماز میں ایک دوسرے کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں، وہ ایک نصف النہار بناتے ہیں جو کعبہ سے گزرتا ہے اور جو لوگ نماز کی صفوں میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوتے ہیں، وہ ایک ایسا مدار بناتے ہیں جس کا مرکز کعبہ ہوتا ہے۔

اب یہاں مسجد الحرام میں ان مداروں اور نصف النہاروں نے اپنے قطب کے نزدیک زیادہ منظم اور باہم پیوستہ صف بندیوں کے ذریعے ہر طرف سے کعبہ کو اپنے درمیان لیا ہوا ہے۔ کعبہ توحید کا ابلتا ہوا چشمہ ہے۔ گویا جہاں کہیں کسی پیاسے تک ایک گھونٹ پانی پہنچتا ہے، وہ اسی چشمے سے اس تک پہنچا ہے۔ اب جب حاجی اس چشمے تک پہنچ جاتا ہے، تو اپنی پہلی ہی نگاہ میں اس چھوٹے اور سادہ گھر کو دیکھ کر اس کے سامنے اپنا دل ہار بیٹھتا ہے۔ لوگ اسے ''بیت اللہ'' کہتے ہیں اور خدا نے اسے ''بیت الناس'' کہا ہے!

احرام، عظیم نماز کا آغاز

احرام وہ پہلا واجب عمل ہے جسے حاجی اعمالِ حج کے آغاز میں انجام دیتا ہے۔ اس عمل کے ذریعے وہ ''مُحرِم'' ہو جاتا ہے۔ احرام میدانِ حج میں رکھا جانے والا پہلا قدم ہے۔ ''مُحرِم'' ہوتے وقت حاجی یہ نیت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج میں اس پر جن جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، وہ ان سب چیزوں سے اجتناب کرے گا۔ وہ احرام کے ذریعے اپنے گرد ایک ایسا حصار کھینچ لیتا ہے جس کا احترام اس پر واجب ہے اور اسے توڑنا اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔

احرام کی واضح ترین علامت اپنے جسم سے معمول کا لباس اتار کر احرام کا مخصوص لباس پہن لینا ہے۔ احرام ایک سادہ سا لباس ہے، جس سے زیادہ سادہ لباس ممکن ہی نہیں۔ ایک ایسا لباس ہے جس میں انسان کے جسم کو ڈھانپنے کے سوا کوئی اور خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ احرام کپڑے کے دو ٹکڑوں پر مشتمل ہے، جو عموماً سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ ان دو کپڑوں میں سے ایک کو لنگی کی طرح کمر پر باندھتے ہیں، جبکہ دوسرے کو شانوں پر ڈالا جاتا ہے۔ اس لباس میں کسی قسم کی سلائی سے کام نہیں لینا چاہیے، اور کپڑے کے ان دو ٹکڑوں کے سوا حاجی کے پاس کوئی اور دوسری چیز نہیں ہونی چاہیے۔ مردوں کے جوتے بھی سادہ ہونے چاہئیں، ایسے نہ ہوں جن سے پیروں کا سارا اوپری حصہ چھپ جائے۔ مردوں کو لباس اور جوتوں کی تبدیلی کے علاوہ اپنا سر ڈھانپنے، نیز راستے میں زیرِ سایہ چلنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں مردوں اور عورتوں کو جب تک وہ حالتِ احرام میں ہوں درج

ذیل کاموں کو اپنے اوپر حرام قرار دینا چاہیے۔(۱)

۱۔عطر اور اسی قسم کی دوسری چیزوں سے استفادہ جو خوشبو کے لیے استعمال ہوتی ہیں' سرمہ لگانا' آئینہ دیکھنا' زینت کی نیت سے انگوٹھی پہننا' اپنے بدن پر تیل ملنا' اپنے جسم سے بال صاف کرنا' ناخن کاٹنا' کسی بھی قسم کی لذت حاصل کرنا اور نکاح کرنا۔

۲۔جنگلی حیوانات کا شکار کرنا' کسی ایسے کیڑے کو مارنا جو انسان کے بدن پر ساکن ہو' حرم کی حدود میں اُگے ہوئے درختوں اور گھاس پھوس کو توڑنا' اپنے بدن سے خون نکالنا اور دانت نکلوانا۔

۳۔اپنے ساتھ اسلحہ رکھنا' بحث و تکرار کرنا' جھوٹ بولنا' گالی دینا' فخر جتانا' زیور پہننا اور اپنا چہرہ چھپانا خصوصاً خواتین کے لیے حرام ہے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا احرام باندھنے کے بعد حاجی ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے' کہ جس میں اسے ان بہت سے کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے جو دوسرے مواقع پر اس کے لیے معمول اور طبیعی ہوتے ہیں۔اگر ہم منع کیے گئے ان کاموں اور محرمات پر غور کریں' تو ہم دیکھیں گے کہ ان میں سے پہلی قسم کا تعلق اُن کاموں سے ہے جو غرور و تکبر' خودخواہی اور خود پسندی سے نسبت رکھتے ہیں۔دوسری قسم کا تعلق ایسے امور سے ہے جن کے ذریعے انسان کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ وہ طبیعت اور حتیٰ خود اپنی ذات کا بھی مالک اور اس کے بارے میں صاحب اختیار نہیں ہے۔ تیسری قسم کا تعلق ایسے امور سے ہے جو انسان کو یہ سبق دیتے ہیں کہ وہ سماجی زندگی میں دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق میں اپنے آپ کو آقا' مالک اور دوسروں سے برتر نہ سمجھے' دوسروں پر فخر نہ جتائے' بلکہ اپنے آپ کو اُن کے برابر سمجھے۔

حج' ایک ایسے گھر کی زیارت ہے جسے اللہ نے ''اپنا گھر'' بھی قرار دیا ہے اور ''لوگوں کا گھر'' بھی کہا ہے۔اس گھر کو خدا کے نبی حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے فرزند حضرت اسماعیلؑ نے

۱۔حج سے متعلق فقہی احکام پر مشتمل کتابوں میں محرمات احرام کی اس طرح تقسیم بندی نہیں کی گئی ہے' یہ تقسیم بندی خود ہماری کی ہوئی ہے۔

تعمیر اور مستحکم کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا بھر کے توحید پرستوں کے جد اعلیٰ ہیں۔ حج کے آستانے پر قدم رکھنا' توحید کے حرم و حریم میں قدم رکھنا ہے' اور جو چیز بھی توحید سے ہم آہنگ نہ ہو' اُسے ہمیں اس آستانے سے باہر ہی چھوڑ آنا چاہیے۔ حاجی کی روح کو شرک کے میل کچیل اور آلودگیوں سے پاک کرنے کے لیے' حج بہار توحید کی برسات ہے۔ جو شخص اس آستانے میں داخل ہونا چاہتا ہے' اسے اپنے آپ کو فراموش کر دینا چاہیے' اور بقول حافظ شیرازی اسے اپنے آپ کو اس آستانے کی خاک کے برابر کر لینا چاہیے تا کہ عزت و دولت پا سکے۔

امروز شمع انجمن دلبران یکی است
دلبر اگر هزار بود دل بر آن یکی است (۱)

من بهر آن یکی دو جهان داده ام به باد
عیبم مکن که حاصل هر دو جهان یکی است (۲)

سودائیان خرمن پندار راه گوی
سرمایه کم کنید که سود و زیان یکی است (۳)

خلقی زبان به دعوی عشقش گشوده اند
ای من فدای آنکه دلش با زبان یکی است (۴)

حافظ بر آستانه دولت نهاده سر
دولت در آن سراست که با آستان یکی است (۵)

۱۔ آج عاشقوں کی انجمن کی شمع ایک ہی ہے' عاشق اگر ہزار ہیں تو معشوق ایک ہی ہے۔

۲۔ میں نے ہر ایک کے لیے دونوں جہانوں کو آباد کیا ہے' مجھے برا نہ کہنا کہ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

۳۔ عقل وخرد کے سودائیوں سے کہو کہ سرمایہ کم کر دیں سود وزیاں ایک ہی چیز ہے۔

۴۔ ہر ایک اس کے عشق کا دعویدار ہے' میں قربان جاؤں اس پر جس کا دل اور زبان ایک ہے۔

۵۔ حافظ نے آستانہ دولت پر سر رکھا ہوا ہے' اور دولت اس آستانے کی خاک پر سر بسجود ہے۔

احرام کے ذریعے انسان اپنے پروردگار کے سامنے اپنی خاکساری انکساری اور اپنی ناچیزی کا باقاعدہ اعلان کرتا ہے۔ قدیم زمانے میں ایک رسم تھی جو اب تک چلی آ رہی ہے کہ وہ اکھاڑے جہاں پہلوان تربیت حاصل کرتے ہیں' اُن کے دروازے نیچے رکھے جاتے ہیں' اور بلند قامت پہلوان ان اکھاڑوں میں داخل ہوتے وقت اپنا سر جھکانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ پرانے پہلوان نئے آنے والے پہلوانوں کو اکھاڑوں کے دروازوں کے نیچے رکھے جانے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی زور آوری کا احساس رکھنے والا ہر شخص' جوان زور خانوں اور اکھاڑوں میں زور آزمائی اور پہلوانی کے لیے آتا ہے' وہ ان میں داخلے سے پہلے اپنے اندر خاکساری اور تواضع پیدا کرے۔ احرامِ حج بھی یہی کام کرتا ہے' یہ حرمِ الٰہی میں داخلے کے لیے انسان میں آمادگی پیدا کرتا ہے۔

کیا ایسا نہیں کہ ہماری تمام مشکلات خود ہماری ہی وجہ سے ہیں۔ یہ حبِ نفس ہے جس نے ہمیں اپنے خدا اور اپنی بے بضاعتی کو سمجھنے سے دور کیا ہوا ہے؟ ہم آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں' اپنی آرائش کرتے ہیں' زیب و زینت سے اپنے آپ کو آراستہ کرتے ہیں' خوشبو لگاتے ہیں' نت نئے تیل استعمال کرتے ہیں' اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے' طرح طرح سے اپنے آپ کو سنوارتے ہیں۔ یہ سب ہماری زندگی کے روزمرّہ معمولات ہیں' اور ہم اپنے انہی معمولات میں مشغول رہ کر خدا کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے اور جس پر ہم ناز کرتے ہیں' اُس کی ناچیزی' بے وقعتی' فنا پذیری اور اس کے عارضی ہونے کو ہم بھول جاتے ہیں' ان چیزوں کی وجہ سے ہم میں غرور پیدا ہو جاتا ہے' خدا سے دوری اختیار کر لیتے ہیں' بندگانِ خدا پر فخر جتاتے ہیں' ان پر ظلم کرتے ہیں۔ کیا ہوگا اگر ہم کچھ دنوں کے لیے آئینہ نہ دیکھیں' اپنے آپ کو نہ دیکھیں' خود بین نہ بنیں؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ:

بزرگان نکردند در خود نگاہ خدابینی از خوشتن بین مخواہ

(سعدی)

کیا ہو جائے گا اگر ہم کچھ دن بناؤ سنگھار نہ کریں اور آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر آپ ہی

آپ خود پر ناز نہ کریں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ساری کائنات ہماری ملکیت ہے' اور ہم جس طرح چاہیں اس میں تصرف کا حق رکھتے ہیں' لیکن توحید پر ہمارا عقیدہ ہم سے کہتا ہے کہ: لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. (۱) آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کے لیے ہے' ہم بھی اسی کی مخلوق ہیں' اسی نے ہماری ابتدا کی ہے اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کے جانا ہے۔ اب جبکہ ہم نے اپنے محبوب کے حرم کی حدود میں قدم رکھا ہے' تو ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ اس صحرا کی زمین میں اُگنے والے کسی بھی درخت اور کسی بھی خار و گل کو توڑنا ہم پر حرام ہے' اور ہم اس صحرا میں کسی جانور کو نہیں مار سکتے' اگر کوئی کیڑا مکوڑا ہمارے جسم پر بیٹھ جائے' تو بھی ہم اسے نہیں مار سکتے' اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہم خود اپنے بدن سے خون نکالنے کا حق بھی نہیں رکھتے' اور اپنے بدن کے کسی عضو مثلاً دانت کو بھی نہیں نکال سکتے' اپنے ناخن بھی نہیں کاٹ سکتے۔

ہمیں یہ حق کیوں حاصل نہیں؟

اس لیے کہ ہم ان میں سے کسی ایک بھی چیز کے مالک نہیں' لہٰذا ہمیں ان میں اپنی مرضی سے تصرف کا حق حاصل نہیں' نہ تو ہم اپنے آپ کے مالک ہیں اور نہ ہی اپنے سوا کسی اور چیز کے۔

(فارسی زبان کے مشہور شاعر) ناصر خسرو نے تقریباً ہزار سال پہلے حج کیا تھا' اور اپنے حج سے متعلق ایک یادگار سفر نامہ فارسی زبان میں تحریر کیا تھا' اس میں ایک مقام پر وہ کہتا ہے:

خلق ہمہ یکسرہ نہال خدای اند　　　ہیچ نہ برکن تو زین نہال ونہ بشکن (۱)

خونِ بناحق نہال کندن اوست　　　دل زنہال خدای کندن برکن (۲'۳)

۱۔ سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۲۸۴

۱۔ تمام مخلوقات اللہ تعالی کے نونہال پودے ہیں' تم ان نونہال پودوں کو نہ تو اکھاڑو اور نہ ہی توڑو۔

۲۔ ان نونہال پودوں کا اکھاڑنا خونِ ناحق بہانے کے مترادف ہے۔ اپنے دل سے ان نونہال پودوں کو اکھاڑنے کا خیال بھی نکال دو۔

۳۔ دیوان اشعار حکیم ناصر خسرو قبادیانی۔ ج ا۔ ص ۱۷۰

احرام ہماری تربیت کے لیے ایک مشق ہے' تاکہ ہم فطرت (Nature) کے ساتھ' جو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے درست اور اچھے انداز سے پیش آئیں اور اپنے ماحول' اور دنیا اور اپنے ملک کے قدرتی وسائل کو تباہ و برباد ہونے سے بچائیں۔ جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

"فَاِنَّكُمْ مَسْئُولُونَ حَتّٰى عَنِ الْبِقَاعِ وَالْبَهَائِمِ."

"روزِ قیامت تم سے ہر چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا' حتیٰ تم سے جانوروں اور جگہوں کے بارے میں بھی باز پرس ہوگی۔"

توحید کا میدان' رحمتِ خداوندی کا وسیع و عریض میدان ہے۔ جو شخص موحد ہے اور اس میدان میں قدم رکھتا ہے' اسے صفاتِ الٰہی کا مظہر ہونا چاہیے۔ وہ خدا جو سلام ہے' مومن ہے' رحمٰن ہے' رحیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص' چاہے وہ کتنا ہی طاقتور اور شان و شوکت کا مالک کیوں نہ ہو' یہاں تک کہ وہ سر سے پیر تک اسلحہ سے لیس ہو' جب وہ حرم کی حدود میں داخل ہوتا ہے' تو اسے چاہیے کہ غیر مسلح ہو جائے تاکہ بندگانِ خدا کو اس کی طرف سے کوئی خوف نہ رہے' نہ صرف اسے آلاتِ حرب کو اپنے سے دور کر لینا چاہیے' بلکہ اسے چاہیے کہ اپنی زبان کو بھی قابو میں رکھے' جو خلقِ خدا کے لیے باعثِ آزار ہو سکتی ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنی زبان کو لگام ڈال کر رکھے' اور دوسروں پر دباؤ ڈالنے کے لیے زبانی ہتھیار' "جدال" سے استفادے سے پرہیز کرے۔ اسے چاہیے کہ حقیقت کو نہ چھپائے' اپنی زبان کو گندی باتوں سے آلودہ نہ کرے' دوسروں پر فخر نہ جتائے' تاکہ ایک حقیقی مسلمان بننے کی مشق کرے' جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ يَدِهٖ وَلِسَانِهٖ."(۱)

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔"

ہم نے احرام کو اس "عظیم نماز" کا آغاز قرار دیا تھا۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم اپنی یومیہ

۱۔ بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۵۳

نمازوں کا آغاز ''تکبیرۃ الاحرام'' کے ساتھ کرتے ہیں۔ کیا ہم نے کبھی اپنے آپ سے پوچھا کہ اس ''اللہ اکبر'' کو جس کے ذریعے ہم نماز کا آغاز کرتے ہیں ''تکبیرۃ الاحرام'' کیوں کہا جاتا ہے اور اس ''احرام'' اور اُس ''احرام'' کے درمیان کیا نسبت اور کیا شباہت پائی جاتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ''تکبیرۃ الاحرام'' کہہ کر نماز کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں اور ایک لحاظ سے یہاں بھی ''مُحرِم'' ہو جاتے ہیں۔ نماز کے دوران بعض کاموں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے ہیں' کوئی چیز کھاتے نہیں' اپنا چہرہ کعبے کی طرف سے نہیں ہٹاتے' زور سے نہیں ہنستے' نماز کے دوران جو باتیں زبان پر لائی جا سکتی ہیں' اُن کے سوا کوئی بات زبان پر نہیں لاتے' اپنے جسم کے بعض حصوں کو ڈھانپ کے رکھتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ ہم نماز کے اختتام تک ان حرمتوں کا خیال رکھتے ہیں اور اس حریم کو نہیں توڑتے۔

یہاں (حج میں) بھی ایسا ہی ہے۔ ہم حج کے ''احرام'' میں بھی نماز کے احرام کی طرح بعض کاموں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے ہیں' اس فرق کے ساتھ کہ نماز کا وقت چند منٹوں پر مشتمل ہوتا ہے اور حج کا وقت چند دنوں پر مشتمل ہے۔ نماز میں ہم کعبہ سے دور کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے ہیں' اور حج میں کعبہ کے نزدیک انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں' مختلف مقامات پر آتے جاتے ہیں' سوتے ہیں جاگتے ہیں۔

پہلی والی حالت (نماز) کی بہ نسبت یہ دوسری حالت (حج) ہماری حقیقی زندگی سے زیادہ نزدیک ہے۔ اس زندگی میں ہمیں یہ احساس کرنا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہیں' لہٰذا ہمیں مسلسل حضورِ قلب کے ساتھ رہنا چاہیے' لیکن ہم پر یہ حالت اُس وقت تک طاری نہیں ہو سکتی جب تک ہم اُن افکار' گفتار اور رفتار سے دوری اختیار نہ کریں نیز ان کو اپنے اوپر حرام نہ کر لیں جو ہمیں خدا سے دور کر دیتے ہیں' تاکہ اس عظیم نماز حج کا آغاز کر سکیں۔

جس طرح ہم نماز میں نیت کے بعد تکبیرۃ الاحرام کہہ کر نماز کا باقاعدہ آغاز کرتے ہیں' اسی طرح ہم یہاں بھی نیت کرتے ہیں' لبیک کہتے ہیں' اور اس گھر کے مالک اللہ کی اس دعوت کا مثبت جواب دیتے ہیں جس کے ذریعے اُس نے ہمیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی ہے۔ دور دراز

مقامات سے پرواز کر کے اپنے مالک کی چھت پر آنے والے تھکے ماندے کبوتروں کی مانند زیر لب ''تلبیہ'' کہتے ہیں اور اپنی بندگی، محبت اور عشق کا نغمہ گاتے ہیں۔ گناہ اور معصیت کے میل کچیل سے بھرا لباس اتار کر، خود پسندی کا آئینہ توڑ کر عشق و عقیدت کے آنسو آنکھوں میں لیے کعبۃ اللہ کی جانب چل پڑتے ہیں اور دوران راہ نشیب و فراز طے کرتے ہوئے عشق و معرفت کے ساتھ پُرسوز آواز میں گنگناتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ. اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ.''

''میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے لیے ہیں اور ملک تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔''

اور مسلسل کہتے چلے جاتے ہیں۔

وقوفِ عرفات

حج تمتع کے اعمال کے آغاز میں' حجاج جو عام طور پر ایامِ حج سے پہلے ہی مکہ مکرمہ پہنچ چکے ہوتے ہیں مُحرِم ہوتے ہیں اور اس طرح مکہ سے باہر نکلتے ہیں کہ نو ذی الحجہ کو ظہر کے وقت سے لے کر غروبِ آفتاب تک عرفات میں ٹھہر سکیں۔ بہتر ہے کہ احرام کو خانۂ کعبہ کے نزدیک' یعنی حجر اسماعیل میں یا مقامِ ابراہیم کے قریب باندھا جائے۔

عرفات' مکہ کے جنوب مشرق میں بائیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک وسیع و عریض مسطح میدان ہے۔ حجاج کرام نو ذی الحجہ کو عرفات میں اپنے قیام کو یقینی بنانے کے لیے آٹھ ذی الحجہ کی رات ہی کو' جسے روزِ ''ترویہ'' (۱) کہتے ہیں' عرفات کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں پر مشتمل تقریباً بیس لاکھ حجاج کرام کی عرفات کی طرف روانگی کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ''عرفات'' عرفان اور معرفت ہی کے مادہ سے نکلا ہے' اور حاجی نصف دن کے اس جبری قیام کے ذریعے' جو عموماً اپنے مقدمات سمیت ایک دن اور ایک رات تک جا پہنچتا ہے' اپنے آپ کو حج کی حقیقت اور اس کے باطن کی معرفت اور اس کا مقصد و مقصود سمجھنے کے لیے

۱۔ ''ترویہ'' کے معنی پینے کے پانی کی فراہمی ہے' جو ۸ ذی الحجہ کو واقع ہوئی تھی' اور یہی وجہ ہے کہ اس دن کو روزِ ''ترویہ'' کہتے ہیں۔

تیار کرتا ہے۔

یوں نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا بندوبست کیا ہے کہ حج نسبتاً طویل عرصے میں انجام پائے اور حاجی کم و بیش آٹھویں ذی الحجہ سے حالتِ احرام میں رہے اور پہلے ہی مرحلے میں مکہ سے بائیس کلومیٹر دور چلا جائے اور اس دور ترین مقام یعنی عرفات سے جو حرم کی حدود سے بھی کچھ باہر ہے بتدریج اور مرحلہ بہ مرحلہ طواف اور سعی کے لیے اپنے آپ کو کعبہ سے نزدیک کرے۔

اللہ تعالیٰ نے حجِ تمتع میں یہ نہیں چاہا ہے کہ حاجی جیسے ہی مکہ پہنچے سیدھا مسجد الحرام میں چلا جائے اور بلا توقف خانۂ کعبہ کے پہلو میں ایک دو گھنٹے کے اندر اندر اعمالِ حج انجام دے کر حج سے فارغ ہو جائے بلکہ اسے افتاں و خیزاں کچھ مدت کے لیے راستے میں رہ کر سالک طریق الی اللہ رہنا چاہیے۔

حاجی کو چاہیے کہ پہلے مرحلے میں وہ عرفات میں توقف کرے اس کے بعد اگلے مرحلے میں مشعر میں ٹھہرے اور وہاں سے منیٰ آئے جو عرفات اور مشعر کی نسبت مکہ سے زیادہ قریب ہے۔ وہاں بھی کچھ اعمال انجام دینے کے بعد دیوانہ وار ایک کے بعد دوسری منزل طے کرتے ہوئے اور ایک کے بعد دوسری وادی سے گزرتے ہوئے اپنے آپ کو اپنے محبوب سے نزدیک سے نزدیک تر کرے۔ اور اس شیریں لیکن آتشیں حقیقت کا ذاتی طور پر تجربہ کرے کہ:

وعدۂ وصل چون شود نزدیک　　آتش عشق تیزتر گردد (۱)

عرفات میں نو ذی الحجہ کے دن ظہر سے لے کر غروبِ آفتاب تک وہاں قیام کے علاوہ کوئی اور عمل واجب نہیں ہے۔ لیکن حجاجِ کرام اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں نو ذی الحجہ کی رات اور دن نمازیں اور دعائیں پڑھتے ہوئے بسر کرتے ہیں۔ شیعہ حضرات خصوصاً نو ذی الحجہ کو ظہر کے بعد یعنی جس وقت عرفات میں وقوف واجب ہے مختلف اور متعدد دعاؤں اور زیارتوں خصوصاً صحیفۂ سجادیہ میں امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول دعائے عرفہ اور سید الشہدا

۱۔ جوں جوں وصال کا وقت قریب ہوتا جاتا ہے عشق کی آگ تیز تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام سے منقول معروف دعائے عرفہ کی اجتماعی تلاوت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حج کی معنوی اور روحانی فضا میں لے جاتے ہیں' اور عرفات میں معرفت و عرفان کے عظیم معلم حضرت امام حسین علیہ السلام سے درسِ معرفت لیتے ہیں۔

دعائے عرفہ ایک طویل دعا ہے' اسے نہ صرف حج پر گئے ہوئے اور وقوفِ عرفات میں مشغول لوگ پڑھتے ہیں' بلکہ بہت سے ایسے لوگ بھی جو سالہا سال قبل حج سے مشرف ہوئے ہوتے ہیں' اور ایسے لوگ بھی جنہوں نے ابھی حج نہیں کیا ہوتا' وہ عرفہ کے دن جہاں کہیں بھی ہوں' اس دعا کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس دعا کے فقرات کی تشریح و تفسیر فی الحال ممکن نہیں' اس کے لیے ایک مفصّل اور جداگانہ کتاب درکار ہے' البتہ یہاں اس کے چند فقروں کے ذریعے معرفت کی کچھ تشنگی دور کرنے اور میدانِ عرفات میں موجود حجاجِ کرام کے ہم آواز ہونے کی خاطر ہم اس دعا کے چند جملے نقل کر رہے ہیں۔ مرحوم حاج شیخ عباس قمّی مفاتیح الجنان میں دعائے عرفہ کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اس دن کی مشہور دعاؤں میں سے ایک حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی دعا ہے۔ غالب اسدی کے فرزندوں بُشر اور بشیر سے روایت کی گئی ہے کہ ہم عرفہ کے دن عصر کے وقت میدانِ عرفات میں حضرت کی خدمت میں موجود تھے۔ پس آپ اپنے اہلِ بیت' فرزندوں اور شیعوں کے ایک گروہ کے ہمراہ نہایت عجز و خشوع کے ساتھ اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے' اور پہاڑی کی بائیں جانب کھڑے ہو کر کعبے کی طرف رُخ کیا' اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرے کے سامنے اس طرح بلند کیا جیسے کوئی مسکین کھانا طلب کرتا ہے اور پھر اس دعا کی تلاوت فرمائی۔''

بہر حال دعائے عرفہ کا آغاز حمدِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے اور امام حسینؑ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا ذکر کرنے کے بعد اپنے اوپر اُس کی بے شمار نعمتوں اور اس کے الطاف و عنایات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اِبْتَدَاْتَنِی بِنِعْمَتِکَ قَبْلَ اَنْ اَکُوْنَ شَیْئاً مَذْکُوراً وَخَلَقْتَنِی مِنَ التُّرَابِ ثُمَّ اَسْکَنْتَنِی الْاَصْلَابَ آمِناً لِرَیْبِ الْمَنُوْنِ وَاخْتِلَافِ الدُّھُوْرِ وَالسِّنِیْنَ فَلَمْ اَزَلْ ظَاعِناً مِنْ صُلْبٍ اِلٰی رَحِمٍ فِی تَقَادُمٍ مِنَ الْاَیَّامِ الْمَاضِیَۃِ وَالْقُرُوْنِ الْخَالِیَۃِ۔"

"تو نے اپنی نعمت سے مجھے وجود بخشا' قبل اس کے کہ میں کوئی قابلِ ذکر چیز ہوتا ۔تو نے پہلے مجھے خاک سے پیدا کیا' پھر مجھے اپنے اجداد کے صلبوں میں ساکن کیا اور حوادثِ زمانہ اور تغیراتِ روزگار سے محفوظ رکھا' اور میں برابر گزرتے زمانوں اور بیتتی صدیوں میں صلبوں سے رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔"

"لَمْ تُخْرِجْنِی لِرَافَتِکَ بِی وَلُطْفِکَ لِی وَاِحْسَانِکَ اِلَیَّ فِی دَوْلَۃِ اَئِمَّۃِ الْکُفْرِ الَّذِیْنَ نَقَضُوْا عَھْدَکَ وَکَذَّبُوْا رُسُلَکَ. لٰکِنَّکَ اَخْرَجْتَنِی لِلَّذِیْ سَبَقَ لِیْ مِنَ الْھُدٰی الَّذِیْ لَہٗ یَسَّرْتَنِی وَفِیْہِ اَنْشَاْتَنِی۔"

"تو نے مجھے اپنی مہربانی سے خارج نہیں کیا اور اپنے لطف اور اپنے احسان سے ان کافروں کی حکومت میں پیدا نہیں کیا جنہوں نے تیرے عہد کو توڑ دیا تھا اور تیرے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ بلکہ تو نے مجھے ایسے زمانے میں پیدا کیا جس میں مجھ سے پہلے ہی ہدایت آ چکی تھی اور تو نے اسے میرے لیے آسان کیا۔"

امام حسین علیہ السلام دعا کے ان فقروں میں اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کافروں اور مشرکوں کے دورِ حکومت میں پیدا نہیں کیا' بلکہ اُن پر لطف و کرم کرتے ہوئے' انہیں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے بعد ایک اسلامی معاشرے میں پیدا کیا۔

جب حسین ابن علیؑ جیسی ہستی اپنی تمام تر پاک طینتی اور صفائے باطن کے باوجود ایک دینی معاشرے اور اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے پر اس انداز سے اللہ کا شکر ادا کرتی ہے' تو اس حوالے سے ایک عام آدمی کا معاملہ تو بالکل واضح ہے۔ دعا کے ان فقروں سے یہ نتیجہ اخذ

کیا جا سکتا ہے کہ ایک الٰہی معاشرے کے قیام کے لیے دینی حکومت کس قدر مؤثر ثابت ہوتی ہے' نیز افراد معاشرہ کی سعادت و کامرانی اور معنوی و روحانی ارتقا کے سلسلے میں معاشرتی عوامل کس قدر اہم کردار کے مالک ہوا کرتے ہیں کہ امام حسینؑ جیسی عظیم ہستی بھی ایک ایسی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا اپنے لیے باعث افتخار سمجھتی ہے۔ نیز اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہمیں کسی غیر اسلامی یا غیر دینی معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہوئے' اپنی اور اپنی اولاد کی تربیت کے حوالے سے کس قدر حساس اور فکرمند رہنا چاہیے۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کو ایک ایک کر کے گنواتے ہیں اور آخر میں ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے اپنی عاجزی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لَوْ حاوَلْتُ وَاجْتَهَدْتُ مَدَى الْأَعْصارِ وَالْأَحْقابِ لَوْ عُمِّرْتُهَا' أَنْ أُؤَدِّيَ شُكْرَ واحِدَةٍ مِنْ أَنْعُمِكَ مَا اسْتَطَعْتُ ذٰلِكَ' إِلَّا بِمَنِّكَ الْمُوجِبِ عَلَيَّ بِهِ شُكْرَكَ أَبَداً جَدِيداً' وَثَناءً طارِفاً عَتِيداً. أَجَلْ وَلَوْ حَرَصْتُ أَنَا وَالْعادُّونَ مِنْ أَنامِكَ أَنْ نُحْصِيَ مَدَى أَنْعامِكَ سالِفِهِ وَآنِفِهِ مَا حَصَرْناهُ عَدَداً' وَلَا أَحْصَيْناهُ أَمَداً. هَيْهاتَ أَنَّى ذٰلِكَ وَأَنْتَ الْمُخْبِرُ فِي كِتابِكَ النَّاطِقِ' وَالنَّبَأُ الصَّادِقِ: وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوها."

"اگر میں طویل عمر پاؤں اور اس دراز عمر میں تیری کسی ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہوں' تو یہ میرے بس کی بات نہیں' سوائے اس کے کہ تیرا لطف و نعمت میری مدد کرے' اس صورت میں مجھ پر تیرا مزید لگاتار شکر واجب ہو جائے گا۔ ہاں' اگر میں اور تیری تمام مخلوقات شمار کرنے پر آئیں اور تیری گزشتہ اور آئندہ نعمتوں کو شمار کریں' تو نہ تو ہم ان کی تعداد کا حساب کر سکیں گے اور نہ اُن کی انتہا کا۔ افسوس کہ یہ ممکن ہی نہیں' کیونکہ تو نے اپنی سچی اور بولتی کتاب میں ہمیں اس بات کی خبر

دی ہے کہ: ''اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کا شمار نہ کر سکو گے۔''

اس مقام پر ہر وہ شخص جس نے گلستانِ سعدی کے دیباچے کا مطالعہ کیا ہو اس کے ذہن میں شیخ سعدی کا یہ کلام آئے گا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ:

''خدائے عزوجل کا احسان کہ جس کی اطاعت اور بندگی موجبِ قربت ہے اور اس کے شکر سے نعمتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ ہر سانس جو اندر جاتا ہے وہ زندگی کو بڑھاتا ہے اور جب (وہ واپس باہر) نکلتا ہے تو (انسان کی) روح کو فرحت بخشتا ہے۔ پس ہر سانس میں دو نعمتیں پائی جاتی ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔''

از دست و زبان کہ بر آید کز عہدۂ شکرش بہ در آید (۱)

مفاتیح الجنان میں دعا کے درمیان آیا ہے کہ: ''اس کے بعد امامؑ نے دعا اور سوال میں خاص اہتمام شروع کیا آپ کی آنکھوں سے اشک جاری تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ:

''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِی اَخْشَاکَ کَاَنِّی اَرَاکَ وَاَسْعِدْنِی بِتَقْوَاکَ وَلَا تُشْقِنِی بِمَعْصِیَتِکَ وَخِرْلِی فِی قَضَائِکَ وَبَارِکْ لِی فِی قَدَرِکَ حَتّٰی لَا اُحِبَّ تَعْجِیلَ مَا اَخَّرْتَ وَلَا تَاْخِیرَ مَا عَجَّلْتَ۔''

''اے اللہ! مجھے ایسا خوف و خشیت عطا فرما گویا میں تجھے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اپنے تقویٰ کی سعادت عطا فرما اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے سیاہ رو نہ بنا۔ اپنی قضا میں مجھے خیر اور اپنی تقدیر میں مجھے برکت عطا فرما تاکہ جس امر میں تو تاخیر کرے میں اس میں جلدی نہ چاہوں اور جس میں تو جلدی کرے میں اس میں تاخیر نہ چاہوں۔''

''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ غِنَایَ فِی نَفْسِی وَالْیَقِینَ فِی قَلْبِی وَالْاِخْلَاصَ فِی عَمَلِی وَالنُّورَ فِی بَصَرِی وَالْبَصِیرَۃَ فِی دِینِی وَمَتِّعْنِی بِجَوَارِحِی وَاجْعَلْ سَمْعِی وَبَصَرِی الْوَارِثَیْنِ مِنِّی وَانْصُرْنِی عَلٰی مَنْ ظَلَمَنِی

۱۔ ہمارے دست و زباں میں کہاں مجال کہ وہ تیرے شکر کا حق ادا کر سکیں۔

وَأَرِنِی فِیْهِ ثَارِی وَمَآرِبِی وَأَقِرَّ بِذٰلِکَ عَیْنِی۔"

"اے اللہ! میرے نفس کو بے نیازی' میرے قلب کو یقین' میرے عمل کو خلوص اور میری نگاہ میں نورانیت عطا فرما۔ مجھے دین کا فہم اور اس میں بصیرت عطا فرما۔ بارالٰہا میرے اعضا کو قوت و طاقت' میرے کانوں اور آنکھوں کو میرا مطیع بنادے اور جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس کے مقابل میری مدد فرما' مجھے اس سے بدلہ لینے والا بنا' یہ آرزو پوری کرا اور اس سے میری آنکھیں ٹھنڈی فرما۔"

حضرت کا گریہ وزاری اپنی انتہا کو چھونے لگتا ہے' اور آپ فرماتے ہیں:

"اِلٰهِی اِلٰی مَنْ تَکِلُنِی؟ اِلٰی قَرِیْبٍ فَیَقْطَعُنِی اَمْ اِلٰی بَعِیْدٍ فَیَتَجَهَّمُنِی؟ اَمْ اِلَی الْمُسْتَضْعَفِیْنَ لِی وَاَنْتَ رَبِّی وَمَلِیْکُ اَمْرِی؟ اَشْکُوْ اِلَیْکَ غُرْبَتِی وَبُعْدَ دَارِی وَهَوَانِی عَلٰی مَنْ مَلَّکْتَهُ اَمْرِی۔"

"خدایا تو مجھے کس کے حوالے کرے گا؟ اس قرابتدار کے جو مجھ سے قطع تعلق کرنا چاہتا ہے؟ یا اس دور والے کے جو مجھ سے نفرت کرتا ہے؟ یا اس کے جو مجھے کمزور اور ذلیل کرنا چاہتے ہیں؟ جبکہ تو میرا رب اور میرے امر کا مالک ہے۔ میں اپنی غربت اور اپنے گھر اور جائے پناہ سے دوری پر تجھ سے شکوہ اور شکایت کرتا ہوں اور ان لوگوں کے نزدیک اپنی ذلت سے تیری پناہ مانگتا ہوں جن کو تو نے میرے امر کا مالک بنایا ہے۔"

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبَّ الْبَلَدِ الْحَرَامِ وَالْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ الَّذِی اَحْلَلْتَهُ الْبَرَکَةَ وَجَعَلْتَهُ لِلنَّاسِ اَمْنًا۔"

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو ہی مکہ' مشعر الحرام اور کعبہ کا رب ہے' جسے تو نے برکتوں سے لبریز بنایا ہے اور جسے لوگوں کے لیے جائے امن قرار دیا ہے۔"

ہمارے عزیز دار جمند تیسرے امام اپنے عاشقانہ نالوں اور عارفانہ گریہ و بکا کے ساتھ فرماتے ہیں:

"یا مُقَیِّضَ الرَّکْبِ لِیُوسُفَ فِی الْبَلَدِ الْقَفْرِ وَمُخْرِجَهُ مِنَ الْجُبِّ وَجاعِلَهُ بَعْدَ الْعُبُودِیَّةِ مَلِکاً."

''اے یوسفؑ کی نجات کے لیے بے آب بیاباں میں کارواں روکنے والے انہیں گہرے کنویں سے نکالنے اور غلامی کے بعد انہیں بادشاہی دینے والے۔''

"یا رادَّهُ عَلَی یَعْقُوبَ بَعْدَ أَنِ ابْیَضَّتْ عَیْناهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ کَظِیمٌ."

''اے یوسفؑ کو یعقوبؑ سے ملانے والے وہی یعقوبؑ جن کی آنکھیں روتے روتے سفید ہو چکی تھیں اور جو اپنے غم واندوہ کو ضبط کیے ہوئے تھے۔''

"یا کاشِفَ الضُّرِّ وَالْبَلْوی عَنْ أَیُّوبَ."

''اے ایوبؑ کو رنج وغم سے نجات دلانے والے۔''

"وَمُمْسِکَ یَدَیْ إِبْراهِیمَ عَنْ ذَبْحِ ابْنِهِ بَعْدَ کِبَرِ سِنِّهِ وَ فَناءِ عُمُرِهِ."

''اے ابراہیمؑ کے ہاتھوں کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے سے روکنے والے جبکہ وہ انتہائی عمر رسیدہ اور زندگی کی آخری منزل میں تھے۔''

"یا مَنِ اسْتَجابَ لِزَکَرِیَّا فَوَهَبَ لَهُ یَحْیی وَلَمْ یَدَعْهُ فَرْداً وَحِیداً."

''اے وہ جس نے ذکریاؑ کی دعا قبول کی اور انہیں یحییٰؑ جیسا فرزند عطا کیا اور انہیں تن تنہا نہیں چھوڑا۔''

"یا مَنْ أَخْرَجَ یُونُسَ مِنْ بَطْنِ الْحُوتِ."

''اے وہ جس نے یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دلائی۔''

"یا مَنْ فَلَقَ الْبَحْرَ لِبَنِی إِسْرائِیلَ فَأَنْجاهُمْ وَجَعَلَ فِرْعَوْنَ وَجُنُودَهُ مِنَ الْمُغْرَقِینَ."

''اے وہ جس نے بنی اسرائیل کے لیے دریا میں سے راستہ بنایا انہیں نجات دی اور فرعون اور اس کے لشکروں کو غرق کیا۔''

صاحبِ مفاتیح الجنان مرحوم شیخ عباس قمیؒ کے بقول امام حسین علیہ السلام کی آنکھوں سے

اشکوں کا دریا رواں تھا اور آپ آسمان کی جانب سر اٹھائے ہوئے کبھی اللہ کی بے شمار نعمتوں کو یاد کرتے اور کبھی اپنے ضعف' فقر و مسکنت کو اور کبھی خدا سے خیر' نور' یقین' اخلاص' بصیرت' برکت' عافیت اور رزق و روزی طلب فرماتے۔ جا بجا دعا میں قرآنی مضامین اور عبارتوں کو شامل کرتے اور اس قسم کی عبارتوں کے ذریعے عرفے کے دن شام کے وقت دعا کا اختتام کرتے ہوئے فرماتے:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ فِی ھٰذِہِ الْعَشِیَّۃِ الَّتِی شَرَّفْتَھَا وَ عَظَّمْتَھَا بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّکَ' وَرَسُوْلِکَ وَ خِیَرَتِکَ مِنْ خَلْقِکَ' وَاَمِیْنِکَ عَلٰی وَحْیِکَ' اَلْبَشِیْرِ النَّذِیْرِ' السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ' الَّذِی اَنْعَمْتَ بِہٖ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ' وَجَعَلْتَہٗ رَحْمَۃً لِلْعَالَمِیْنَ۔"

"بارالہا! ہم نے آج کی رات تیری جانب رُخ کیا ہے' وہ رات جسے تو نے محمد کی برکت سے بزرگی اور بڑائی بخشی ہے۔ وہ محمدؐ جو تیرے نبی' تیرے رسول اور تیری مخلوقات میں سے بہترین ہیں' تیری وحی کے امانتدار ہیں' بشارت دینے والے' ڈرانے والے اور روشن چراغ ہیں۔ جن کے وجود کو تو نے مسلمانوں کے لیے نعمت قرار دیا' اور ان کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنایا۔"

حاجی میدانِ عرفات میں اس دعا کی تلاوت کے ذریعے بیدار ہوتا ہے' اپنے مولا اور آقا حسین ابن علی علیہ السلام کی پیروی کرتا ہے' اور اس بات کو درک کر لیتا ہے کہ حج کے میدان میں قدم رکھنے کے لیے وقوفِ عرفات کتنا خوبصورت عرفانی مقدمہ ہے۔ اسی طرح اسے اس دعا کے ذریعے امام حسین علیہ السلام کی عرفانی شخصیت کو سمجھنے کا بھی ایک موقع ملتا ہے' کیونکہ اس نے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں حادثۂ کربلا سے متعلق چند دلخراش واقعات کے سوا نہ تو کچھ سنا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اس کے سوا کچھ جانتا ہے۔ اب (میدانِ عرفات میں دعائے عرفہ کے ذریعے وہ) امام حسینؑ کی شخصیت کے ایک اور خوبصورت رُخ سے آشنا ہوتا ہے' اُس شخصیت سے آشنا ہوتا ہے جس نے علیؑ جیسی ہستی کے دامن میں تربیت پائی ہے' جس نے اپنے دامن میں سید سجادؑ کو پالا ہے' جنہوں نے صحیفۂ سجادیہ جیسی گرانقدر کتاب عالمِ انسانیت کے سپرد کی ہے۔ حاجی میدانِ

عرفات میں امام حسین علیہ السلام کی اس دعا میں دعائے کمیل اور صحیفۂ سجادیہ کی دعاؤں کی جھلک محسوس کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ اس جانب متوجہ ہوتا ہے کہ میدانِ کربلا میں امامؑ کی مظلومیت آپ کی مجموعی شخصیت کا صرف ایک پہلو ہے' اور وہ ہستی جس نے کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا وہ کیسے لطیف عرفانی پہلوؤں کی مالک اور کس قدر پاکیزہ' خداترس' خداپرست اور خدادوست تھی۔

ایک رات مشعرالحرام میں

اینکہ گویند بہ عمری شب قدری باشد
مگر آن است کہ بادوست بہ پایان آرند(۱)
(سعدی)

عرفات کے میدان میں غروب آفتاب کے ساتھ ہی حجاج کرام مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھتے اور پھر مشعرالحرام کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں۔ مشعر جس کا دوسرا نام ''مزدلفہ'' ہے' عرفات اور منیٰ کے درمیان حرم کی حدود میں واقع ہے۔ اب حاجی عرفات میں وقوف کے بعد ایک اور منزل کی طرف روانگی کے لیے تیار ہوتا ہے' اور ایک اور توقف کی خاطر ایک منزل سے دوسری منزل کی جانب روانہ ہوتا ہے۔ مشعر میں وقوف' حج کے واجب اعمال میں سے ہے' لہٰذا ضروری ہے کہ حاجی اسے عبادت کی نیت سے انجام دے۔ مشعر میں توقف کا صحیح اور قطعی وقت دس ذی الحجہ کے دن طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کا درمیانی عرصہ ہے' جو مجموعی طور پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بنتا ہے۔ اگرچہ حجاج کرام احتیاط کرتے ہیں اور نماز مغرب کے فوراً بعد عرفات

۱۔ یہ جو کہتے ہیں کہ زندگی میں ایک دن شب قدر نصیب ہو تو اس سے مراد کیا یہی ہے کہ اس رات کو دوست کے ساتھ گزار کر ختم کیا جائے۔ (شیخ سعدی)

سے مشعر کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور رات مشعر ہی میں گزارتے ہیں۔

حجاج کرام مشعر میں عید قرباں کے منتظر ہوتے ہیں اور اُن پر واجب ہے کہ وہ اس دن کے آغاز کے وقت' یعنی طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کے درمیانی عرصے میں' مشعر الحرام میں رہیں۔ مشعر دس ذی الحجہ کی رات دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ کیونکہ تقریباً بیس لاکھ مرد و زن' سب کے سب احرام کے لباس میں چند گھنٹوں کے اندر اندر اپنے آپ کو عرفات سے اس وادی میں پہنچاتے ہیں' اور کیونکہ منیٰ اور عرفات کے برخلاف یہاں دن کے وقت ٹھہرنے کا ارادہ نہیں رکھتے' اس لیے نہ تو یہاں خیمے نصب ہوتے ہیں اور نہ کسی اور سائبان کا اہتمام ہوتا ہے۔ حجاج کرام پہاڑی کے اطراف موجود میدان میں گروپوں کی صورت میں جہاں جگہ ملے چادر بچھا کے بیٹھ جاتے ہیں۔ کھلے آسمان تلے رات گزارتے ہیں اور ساری رات عبادتِ الٰہی اور ذکر و استغفار اور یادِ خدا میں بسر کرتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے اس منظر کو یوں بیان کیا ہے:

چہ روزھا بہ شب آوردہ ام در این امید

کہ با وجود عزیزت شبی بہ روز آرم (۱)

بہت سے لوگ نمازِ شب کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور لوگوں کا ایک اور انبوہِ کثیر کنکریاں جمع کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے' تاکہ اگلے دن کے لیے' جس میں انہیں ان کنکریوں سے شیطان کو مارنا ہے' کنکریاں جمع کر سکے۔ کنکریاں جمع کرنا مشعر کے مستحب اعمال میں سے ہے۔ اذانِ صبح کے ذریعے طلوعِ فجر کا اعلان کیا جاتا ہے' اس کے ساتھ ہی جو لوگ سو رہے ہوتے ہیں وہ جاگ جاتے ہیں۔ لوگوں کا اس طرح نیند سے بیدار ہونا بھی قابلِ دید منظر ہوتا ہے۔ لاکھوں سفید پوش انسان' جو کفن سے مشابہ ترین لباس پہنے ہوئے ہوتے ہیں' وسیع و عریض میدان میں ناگہاں خواب سے بیدار ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گویا قیامت برپا ہو گئی ہو' اسرافیل نے صور پھونک دیا ہو' یہ میدانِ مشعر نہیں بلکہ میدانِ محشر ہو' اور یہ سوئے ہوئے لوگوں کا بیدار ہونا نہ

۱۔ میں نے اس امید میں کتنے ہی دنوں کو رات سے ملا دیا تاکہ تیرے عزیز وجود کے ساتھ ایک رات کو ان سے ملا دوں۔

ہو بلکہ روزِ قیامت مُردوں کا دوبارہ زندہ ہونا ہو۔

حاجی یہ منظر دیکھ کر اپنے آپ سے پوچھتا ہے کہ وہ کل قیامت میں کیا کرے گا' اور بارگاہِ الٰہی میں اُس کا انجام کیا ہوگا؟

حجاجِ کرام جن میں سے ہر ایک اپنے شہر و دیار میں مال و دولت' زیب و زینت کا مالک تھا' وہ آج اُس سب کچھ کو چھوڑ کر اپنے محبوب سے ملاقات کو آیا ہے' تاکہ خانۂ خدا میں خدا کی دعوت میں شریک ہو۔ دوسری دعوتوں کے برخلاف' جہاں صاحبِ خانہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی دعوت میں شریک مہمان قیمتی اور رنگارنگ لباس پہن کر شریک ہوں' اس دعوت میں جس کا میزبان خدا ہے' وہ اپنے مہمانوں کو صرف سادہ ترین لباس میں داخلے کی اجازت دیتا ہے' اور انہیں فطرت کے دامن میں کھلے آسمان تلے زمین پر سلاتا ہے۔

در کوی ما شکستہ دلی می خرند و بس

بازار خود فروشی از آن سوی دیگر است (۱)

اس طرح انسان ایک مختصر مدت اور چند دنوں ہی کے لیے سہی ہر قسم کے علائق' وابستگیوں اور دلچسپیوں سے دوری اختیار کر لیتا ہے' اور ایک ایسا موقع پاتا ہے' جس میں تمام پردوں اور رکاوٹوں سے دور ہو کر' کچھ عرصے کے لیے اپنے آپ میں ڈوب کر اپنا جائزہ لے' اور خود سے پوچھے کہ: میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جاؤں گا؟ وہ ہستی جو مجھے یہاں لائی اور یہاں سے لیجائے گی' وہ کون ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ مجھے کیا امید رکھنی چاہیے؟

یہ تمام سوالات تمام انسانوں کے ذہن میں اٹھنے والے بنیادی اور ابدی سوالات ہیں۔ یہ وہ سوالات ہیں جن سے کوئی چھٹکارا نہیں پا سکتا' یہ کسی کو نہیں چھوڑتے۔

مشعر الحرام میں طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی عیدِ قربان کا آغاز ہوتا ہے' اور حاجی پُر امید دل کے ساتھ منیٰ کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ مشعر میں قیام سے جو تجربات اس نے حاصل کیے' وہ

۱۔ ہمارے کوچے میں تو صرف شکستہ دل خریدے جاتے ہیں' خود فروشی کا بازار کہیں اور ہے۔

انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ فطرت کے دامن میں ایک رات گزارنا' اور وہ بھی خدا کی فطرت کے دامن میں' نہ کہ مادّے کی فطرت میں' وہ فطرت جس کی تمام چیزوں کا تعلق خدا سے ہے' اور جہاں اُسے زمین سے ایک کانٹا توڑنے' اور ایک چیونٹی تک کو تکلیف پہنچانے کا حق نہ تھا۔

مشعر کی زمین میں ایک تھیلی بھر سنگریزوں کی تلاش' جنہیں وہ شیطان کو مارنا چاہتا ہے' اور رات کے وقت نماز' دعا' مناجات اور ذکرِ الٰہی' اس میں ایک قسم کی آگہی اور خود آگہی پیدا کرتے ہیں' تاکہ وہ اپنے دوست اور دشمن کو پہچانے۔ حاجی معنوی تجربات کا انبار لیے عیدِ قرباں کی صبح مشعر سے منیٰ کی طرف روانہ ہوتا ہے' تاکہ اپنی منزلِ مقصود سے ایک قدم اور نزدیک ہو سکے۔

منیٰ

جیسا کہ ہم نے عرض کیا' حجاجِ کرام جنہوں نے سفید رنگ کا انتہائی سادہ لباس پہن رکھا ہے' پوری رات مشعر میں گزار کر طلوعِ آفتاب سے قبل ہی مشعر سے روانگی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور دس ذی الحجہ کے دن سورج کی ابتدائی کرنیں دیکھتے ہی مشعر سے منیٰ کی طرف کوچ کرتے ہیں۔ دس ذی الحجہ ''عیدِ قربان'' کا دن ہے' اور دنیا بھر کے مسلمان اس دن کعبہ اور حجِ کعبہ کی یاد میں خوشیاں مناتے ہیں۔ بالخصوص دنیا کے کونے کونے سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ آنے والے حجاج کی خوشیاں سب سے زیادہ قابلِ دید ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو عرصۂ دراز سے اپنے دل میں منیٰ کی زیارت کی آرزو لیے ہوئے تھے' آج اس سرزمینِ تمنا پر اپنی وہ آرزو پوری ہوتے دیکھ رہے ہیں۔

عُشاق کا کارواں مشعر سے منیٰ کی جانب رواں دواں ہے۔ کچھ لوگ سواریوں کے ذریعے اور اکثر لوگ پاپیادہ توحید کے نغمے گنگناتے منیٰ کی سمت روانہ ہیں۔ ان کے نغمے وہی دعائیں ہوتی ہیں جو یہ لوگ اجتماعی طور پر پڑھتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ذکر کرتے ہیں۔ چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود ہر سال اسی دن اور اسی راستے سے گزرنے والے اس طویل کارواں کے نہ پہلے سرے کا کچھ پتا ہے اور نہ آخری سرے کا۔

منیٰ مشعر سے کوئی خاص دوری پر واقع نہیں ہے' اسی طرح جیسے مکہ سے بھی دور نہیں ہے۔

حجاج کرام ایک دو گھنٹے چلنے کے بعد منیٰ پہنچ جاتے ہیں' تاکہ وہاں دس' گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کے ایام میں قیام کریں۔ حاجی اس بات کا پابند ہے کہ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی راتیں منیٰ میں بسر کرے' اور اصطلاحاً وہاں ''بیتوتہ'' کرے۔ یہ ''بیتوتہ'' حج کے واجبات میں شامل ہے' جسے نیت اور قصدِ قربت کے ساتھ ہونا چاہیے۔

منیٰ خیموں کے شہر کا منظر پیش کرتا ہے' اس میں ہر طرف تا حدِ نگاہ خیمے تنے ہوئے ہیں' حجاج کرام منیٰ میں اپنے روز و شب انہی خیموں میں بسر کرتے ہیں۔ سفید پوش مہمانوں کے لیے سفید رنگ کے خیمے۔

پہلا واجب عمل جسے حاجی کو منیٰ میں انجام دینا چاہیے' وہ ''رمی جمرۂ عقبہ'' ہے۔ منیٰ میں پتھر کے تین سادہ ستون ہیں' جنہیں بالترتیب جمرۂ اولیٰ' جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کہتے ہیں۔ حاجی پر واجب ہے کہ عیدِ قرباں کے دن ''جمرۂ عقبہ'' کو سات کنکریاں مارے۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو بھی اس پر واجب ہے کہ وہ تینوں جمرات کو (سات سات) کنکریاں مارے۔

حاجی منیٰ میں مجموعی طور پر سات مرتبہ جمرات (شیطانوں) کو کنکریاں مارتا ہے۔ ایک مرتبہ عیدِ قرباں کے دن بڑے شیطان کو' جبکہ گیارہ اور بارہ تاریخ کو تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہر مرتبہ جب بھی وہ کنکریاں مارے اسے اطمینان ہو کہ اس کی ماری ہوئی تمام سات کنکریاں شیطان کو لگی ہیں۔

ممکن ہے یہاں بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا واقعاً یہ پتھر کے ستون شیطان ہیں؟ واضح ہے کہ ایسا نہیں ہے' کیونکہ شیطان کو پتھر اور مٹی سے خلق نہیں کیا گیا ہے' بلکہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا' تو اُس نے تکبر کیا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا' اس موقع پر اُس نے جو دلیل پیش کی وہ یہ تھی کہ:

''قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ.''

''اُس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' (کیونکہ) تو نے مجھے آگ سے خلق کیا ہے اور انہیں مٹی سے بنایا ہے۔'' (سورۂ اعراف ۷۔ آیت ۱۲)

پس تو پھر ہم کیوں پتھر کے ان ستونوں کو جن کی حفاظت کے لیے ہر سال باقاعدہ ان کی مرمت کی جاتی ہے' شیطان کہتے ہیں اور کیوں انہیں کنکریاں مارتے ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پتھر کے یہ ستون شیطان کی تمثیل اور اس کی علامت ہیں' نہ کہ خود شیطان۔ اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے کہ ہم اپنے دل و دماغ میں شیطان سے بیزار رہیں' اور اپنے قلب و ذہن کی اس بیزاری کا' جسے خارج میں محسوس نہیں کیا جا سکتا' ایک محسوس عمل کے ذریعے' جو ان ستونوں کو پتھر مارنا ہے' اظہار کریں۔

پتھر کے یہ ستون شیطان سے زیادہ ان بتوں کے مشابہ ہیں جن کی پیغمبر اسلامؐ کے دور میں مشرکین پرستش اور پوجا کیا کرتے تھے' اور جو چیز پیغمبر اسلامؐ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی' وہ انہی بتوں کی پرستش تھی۔ مشرکین نے خانۂ کعبہ تک کو لکڑی اور پتھر کے بتوں سے بھر دیا تھا' جنہیں پیغمبرؐ نے فتح مکہ کے دن حضرت علیؑ کی مدد سے توڑ کر پھینک دیا۔

لیکن ایک اہم اور قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ پتھر کے یہ ستون بتوں سے زیادہ مشابہ ہونے کے باوجود بتوں کی نہیں بلکہ شیطان کی علامت کے طور پر متعارف کرائے گئے ہیں' اور حج کے موقع پر ہم سے یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ہم بتوں کو کنکریاں ماریں اور بتوں سے اظہار نفرت کریں' بلکہ کہا گیا ہے کہ شیطان کو پتھر ماریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جیسے لوگ جو مسلمان ہیں اور حج کے لیے آئے ہیں' ہماری مشکل بت پرستی نہیں' بلکہ ہمارا مسئلہ شیطان کی پیروی ہے۔ یہی وجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور خانۂ کعبہ کا طواف کرنے سے پہلے' جو توحید اور خدا پرستی کی علامت ہے' شیطان کو اپنے آپ سے دور کریں' اور مسجد الحرام میں جا کر خدا کی بیعت کرنے سے پہلے' شیطان کے ساتھ اپنی بیعت کو توڑ دیں۔ اسی طرح جیسے کلمۂ توحید لاالہ الااللہ میں' جو ہم مسلمانوں کا بنیادی شعار ہے' "لاالہ" پہلے آیا ہے' اور "الااللہ" اس کے بعد' اور اللہ کے علاوہ ہر معبود کی نفی خدا پر ایمان کا مقدمہ اور اس کی لازمی شرط قرار دی گئی ہے۔

حج کے موقع پر بھی حاجی کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ مکہ اور کعبہ پہنچنے سے پہلے منیٰ میں ہی "رمی

جمرات'' یعنی شیطان کو کنکریاں مارنے کے ذریعے ''لاالہ'' کہے' تاکہ وہ ''الااللہ'' کے لیے تیار ہو سکے۔

حاجی' جو اپنے دل کے دروازوں کو اللہ کے لیے کھولنا چاہتا ہے' اُسے چاہیے کہ پہلے وہ غیر خدا اور دشمنِ خدا کو اپنے دل سے نکال باہر کرے' تاکہ اُس کا دل اس مہمان (اللہ تعالیٰ) کی میزبانی کے لیے تیار ہو سکے۔ بقول شاعر:

آئینہ شو جمال پری پیکران طلب

جاروب زن بہ خانہ وپس مہمان طلب (۱)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ شیطان جس سے ہم سب نالاں ہیں' اور اس پر لعن طعن اور نفرین کرتے ہیں' آخر وہ ہے کون اور ہے کیا؟ اگر واقعی انسان کی تمام پریشانیوں اور بدبختیوں کا ذمے دار شیطانِ لعین و رجیم ہے' تو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا ہی کیوں کیا ہے' کہ وہ ہمیں گمراہ کرے اور ساری دنیا کو گناہوں' برائیوں اور ظلم و جور سے پُر کر کے انسانوں کے لیے مشکلات کا سبب بنے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے دن ہی اپنی نافرمانی کے جرم میں اسے جہنم میں کیوں نہیں ڈال دیا' اور کیوں اسے روزِ قیامت تک کے لیے مہلت دے دی' اور اسے کیوں اس بات کی اجازت دی کہ وہ بندگانِ خدا کے دلوں میں وسوسے پیدا کرے' ان کے راستے میں جال بچھائے اور انہیں اپنے پیچھے چلائے؟ کیا بہتر نہ تھا کہ شروع ہی میں اس چشمے کے آگے ایک بند باندھ دیا جاتا' تاکہ وہ سیلاب کی شکل اختیار نہ کرتا؟ اب یہ ایک ایسے خطرناک سیلاب کی شکل اختیار کر چکا ہے کہ ہاتھی پر سوار ہو کر بھی اس مہیب سیلاب کو عبور نہیں کیا جا سکتا۔ کیا اصولی طور پر شیطان کی خلقت کا فلسفہ اور اس کا انسان اور خدا کے ساتھ رابطہ کوئی قابلِ فہم امر ہے' یا عقل و فہم اس کے فہم و ادراک سے عاجز ہے' اور شیطان کا مسئلہ عقل اور عقلانیت کے دائرے

۱۔ پہلے اپنے دل کو آئینے کی طرح شفاف بناؤ' پھر خوبصورت چہروں کو طلب کرو' پہلے اپنے گھر کو جھاڑ دلگا کر صاف کرو پھر مہمان کو بلاؤ۔

سے باہر ہے۔اور وہ خدا جس نے خود ہی شیطان کو پیدا کر کے اسے ہمارے لیے وبالِ جان بنایا ہے اب یہاں حج کے موقع پر ہم سے چاہتا ہے کہ ہم پتھر کے ان ستونوں کو چند کنکریاں مار کر اس مشکل کو حل کریں! اگر جسارت نہ ہو تو شاید بعض لوگوں کے ذہنوں میں وہی بات آتی ہو جو اس شاعر کے ذہن میں آئی تھی اور جس نے نعوذ باللہ خدا سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ:

اگر ریگی بہ کفش خود نداری چرا بایست شیطان آفریدن؟ (۱)

حقیقت یہ ہے کہ شیطان جو کوئی بھی ہو اور اُس کی کوئی بھی سرشت اور سرگزشت ہو عالمِ ہستی میں ایک حقیقت اور واقعیت ہے اس کا وجود قابلِ فہم بھی ہے اور ضروری بھی۔ عالمِ ہستی میں شیطان کے وجود کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان گناہ کرنے پر مجبور ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ شیطان ہمارے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے لیکن یہ ہم ہیں جو اُس کے پیدا کردہ وسوسوں کو قبول کرتے ہیں انہیں اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں اور گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شیطان کے وجود کا مطلب وسوسوں کا وجود اور بُرائیوں اور گناہوں میں جاذبیت اور کشش کا پایا جانا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم اُس کی اطاعت کرنے کے سلسلے میں بے اختیار ہیں۔

اگر آپ اجازت دیں تو ہم ایک مثال عرض کرتے ہیں: ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے استفادہ کرنے کے لیے کم از کم دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک ایسی مشین کا جو آواز اور تصویر کی لہریں فضا میں منتشر کرے اور دوسرے ان لہروں کو وصول کرنے والے ایک آلے کا جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں نصب ہوتا ہے۔ اگر آواز اور تصویر سے حاصل ہونے والی لہریں نادر یا سیارے کے ذریعے فضا میں منتشر کرنے والی مشین ہی نہ ہو تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن چاہے صحیح وسالم اور بے عیب ہی کیوں نہ ہوں نہ ان میں آواز آئے گی اور نہ وہ کوئی تصویر دکھائیں گے۔ کیونکہ فضا میں کوئی چیز منتشر ہی نہیں کی گئی ہے جسے یہ وصول کر کے ہمیں دکھائیں۔ اسی طرح اگر فضا میں آواز اور تصویر کی لہریں منتشر تو کی گئی ہوں لیکن ان لہروں کو وصول کرنے کے لیے ریڈیو یا ٹیلی ویژن ہی نہ

۱۔ اگر خود تمہاری ہی دال میں کچھ کالا نہ تھا تو پھر شیطان کو کیوں پیدا کیا۔

ہوں یا کھلے ہوئے نہ ہوں یا اگر کھلے ہوئے تو ہوں لیکن اُن میں نصب آلہ ان لہروں سے ہم آہنگ یا اُن کے مطابق نہ ہو تب بھی یہ عمل بے نتیجہ رہے گا۔

اب اگر ہم یہ کہیں کہ شیطان دنیا بھر میں گناہ کے وسوسوں کی لہریں بھیجنے والا فعال ٹاور ہے۔ اور ہمارا دل ان لہروں کو وصول کرنے والی مشین یعنی ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی مانند ہے جب تک ہم انہیں کھولیں نہ اور اس کی لہروں یا چینل کو بھیجنے والی مشین کی لہروں یا چینل کے ساتھ ہم آہنگ نہ کریں یا جب تک ڈش کا رُخ اس طرف نہ کر دیں جہاں سے بھیجنے والی مشین سے لہریں آتی ہیں تو ہم اس کے ذریعے کوئی چیز وصول نہیں کر سکتے۔

یہ ہم ہیں جو شیطانی وسوسوں کی ان لہروں کو اپنے دل میں وصول کرتے ہیں اور یہ ہم ہیں جو اسے یہ لہریں وصول کرنے کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔ کیا فضا میں لہریں چھوڑنے والی مشینیں اور فضا میں موجود لہریں کسی کو اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنے ارادے اور رغبت کے برخلاف انہیں سنے یا دیکھے؟

عالمِ ہستی میں شیطان کے وجود کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم ارتکاب گناہ کے لیے مجبور ہیں۔ شیطان کے ساتھ رابطے کی برقراری میں (اس کے وسوسوں کو) وصول کرنے والی چیز ہمارا دل ہے اور یہ ہم ہیں جو اپنے دل کو اپنے ارادے اور اختیار سے شیطانی لہروں کے لیے کھول دیتے ہیں۔ پس باوجود اس کے کہ عالمِ ہستی میں شیطان موجود ہے ہم مختار ہیں مجبور نہیں ہیں اور کیونکہ مختار ہیں اس لیے اپنے کیے کے لیے جوابدہ بھی ہیں۔ قرآنِ مجید اسی بات کو سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر بائیس میں وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہتا ہے کہ:

"وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَالْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ."

''اور تمام امور کا فیصلہ ہو جانے کے بعد شیطان کہے گا کہ اللہ نے تم سے بالکل بر حق وعدہ کیا تھا' اور میں نے بھی ایک وعدہ کیا تھا' پھر میں نے اپنے وعدے کی مخالفت کی' اور میرا تمہارے اوپر کوئی زور بھی نہیں تھا' سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی' اور تم نے اسے قبول کر لیا۔ تو اب تم میری ملامت نہ کرو' بلکہ اپنے نفس کی ملامت کرو' کہ نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں' نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ میں تو پہلے ہی سے اس بات سے بیزار ہوں کہ تم نے مجھے اس کا شریک بنا دیا اور بے شک ظالمین کے لیے بہت بڑا دردناک عذاب ہے۔''

(سورۂ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۲)

سورۂ حجر میں بھی اسی نکتے کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے' جہاں اللہ تعالیٰ شیطان سے مخاطب ہو کے فرماتا ہے:

''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ۔''

''بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی اختیار نہیں' سوائے ان کے جو گمراہوں میں سے تیری پیروی کرنے لگیں۔'' (سورۂ حجر ۱۵۔ آیت ۴۲)

اگر شیطان کو خلق نہ کیا گیا ہوتا' تو پھر دنیا میں گناہ پر ابھارنے والے کسی وسوسے کا وجود نہ ہوتا۔ لیکن اس صورت میں گناہ نہ کرنا' کوئی ہنر نہ ہوتا' اور گناہوں سے دوری کوئی اہم بات نہ ہوتی۔ اگر زمین میں کششِ ثقل نہ ہوتی اور عالمِ فطرت میں کوئی وزن اور بھاری پن نہ ہوتا' تو پھر اونچائی کی طرف چلنا کوئی مشکل کام نہ ہوتا اور نشیب میں چلتے ہوئے زمین پر نہ گرنا کوئی ہنر نہ ہوتا۔

وہ خلاباز جو زمین کی کششِ ثقل کے دائرے سے باہر نکل جاتے ہیں' اگر خلا میں بے وزنی کی کیفیت میں سینکڑوں بار فضا میں قلابازیاں کھائیں' تو یہ اُن کا کوئی کمال نہیں ہے' کمال تو وہ کھلاڑی کرتا ہے جو زمین کی طاقتور کششِ ثقل کی موجودگی میں بلندی سے چھلانگ لگا کر زمین پر آنے سے پہلے فضا میں کئی بار قلابازیاں کھا کر' گلے میں سونے کا تمغہ لٹکا کر فخر سے سر

بلند کرے۔

ایسا شخص جو یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش شیطان کو پیدا نہ کیا گیا ہوتا' وہ درحقیقت بنیادی طور پر اچھائی اور بُرائی' فضیلت اور رذیلت' ثواب اور گناہ وغیرہ کی حقیقت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

لازم ہے کہ زمین میں کشش ثقل پائی جائے' اور اشیا کے اندر وزن اور بھاری پن موجود ہو' تا کہ پتا چل سکے کہ کون طاقتور ہے اور کون کمزور۔ ایسا شخص جو شیطان کی خلقت پر اعتراض کرتا ہے بنیادی طور پر وہ مسئلے کا حل نہیں چاہتا' بلکہ وہ اصل بحث ہی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔

اگر پہاڑی نشیب اپنی جانب کھینچ نہ رہا ہوتا' نیچے کی طرف کھینچنے والی کوئی قوت نہ ہوتی' تو وہ ماہر کوہ پیما جو اپنی ہنرمندی کے ذریعے اپنے آپ کو نیچے گرنے سے بچاتا ہے' کسی صورت قابلِ تحسین نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر انسان کی رفتار و کردار کی دنیا کے بارے میں کہا جائے کہ اگر اس میں شیطان کا وجود نہ ہوتا اور وہ ہمیں برائیوں کی طرف وسوسہ نہ کر رہا ہوتا اس جانب دعوت نہ دے رہا ہوتا' تو ایسی صورت میں ''تقویٰ'' کا کوئی مفہوم نہ ہوتا۔ تقویٰ اپنے آپ کو شیطانی وسوسوں اور کششوں سے بچانے کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں۔ ضروری ہے کہ ایک کشش اور جاذبہ موجود ہو' تا کہ جو شخص اس کے سامنے تسلیم ہو جاتا ہے' اور جو شخص اس کے مقابل مزاحمت کرتا ہے' ان دونوں کے درمیان فرق واضح ہو سکے۔ اسی سے انسان کی قدر و قیمت کا پتا چلتا ہے۔ اور جو چیز انہیں (انسانوں کو) انعام یا سزا کا مستحق قرار دیتی ہے' وہ یہی ہے۔

جی ہاں' خانۂ کعبہ کے طواف سے پہلے پتھر کے ایک ستون کو کنکریاں مارنا' ایک تمثیلی اور علامتی عمل ہے' یہ ایک رمزی عمل ہے' اور اس کے معنی یہ ہیں کہ حاجی جس نے گزشتہ شب مشعر میں اپنے اوپر نیند حرام کر کے' اپنے ہاتھوں سے وہاں کی خاک سے کنکریاں جمع کی تھیں' اب ان کنکریوں کو ان ستونوں کی جانب پھینک کر جنہیں وہ شیطان فرض کرتا ہے' گناہوں اور بُرائیوں سے ہاتھ کھینچ لینے اور شیطان کے پیدا کردہ وسوسوں کے سامنے تسلیم نہ ہونے کے عزم کا ایک محسوس اور ملموس شکل میں اعلان کرتا ہے۔ اور اس ظاہری عمل کے ذریعے اپنی باطنی نیت کی نشاندہی کرتا ہے' اسے تقویت پہنچاتا ہے' اور اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ درحقیقت وہ یہ

کنکریاں خود اپنی ذات کو مارتا ہے' لیکن اپنی اُس ذات کو نہیں جو اسے خدا سے منسلک کرتی ہے' بلکہ اپنی اُس ذات کو جو اسے شیطان کی طرف راغب کرتی ہے' اپنی ذات کے اُس پہلو کو جسے قرآن کریم نے ''نفس امارہ'' کا نام دیا ہے۔

همه از دست غیر می نالند سعدی از دست خویشتن فریاد (۱)

۱۔ سب غیروں کے ہاتھوں رو رہے ہیں' لیکن سعدی خود اپنے ہی ہاتھوں فریاد کر رہا ہے۔

قربانی

عید قربان کے دن منیٰ میں جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد دوسرا واجب عمل قربانی ہے۔ ہر وہ شخص جو حج بجا لا رہا ہو اس پر واجب ہے کہ راہِ خدا میں ایک بکرا' گائے یا اونٹ قربان کرے۔ حج کے تمام اعمال میں اس عمل کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اسی سے ''عید قرباں'' کا نام لیا گیا ہے۔ حاجی کو چاہیے کہ ایسے تندرست حیوان کی قربانی کرے جو بہت زیادہ بوڑھا 'اندھا' لنگڑا' دبلا پتلا اور سینگ ٹوٹا نہ ہو۔ مستحب ہے کہ اگر ممکن ہو تو حیوان کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کرے۔

قربانی کے رمز و راز کو سمجھنا آسان کام نہیں ہے۔ آسمانی کتابوں' خصوصاً قرآنِ کریم (کے مطالعے) سے جو بات سمجھ آتی ہے' وہ یہ ہے کہ قربانی یعنی راہِ خدا میں اس کی قربت کے قصد سے کسی حیوان کو ذبح کرنے کی تاریخ اولادِ آدم میں بہت ہی پرانی ہے۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے:

''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ.''

''اور اے پیغمبر آپ ان کو آدم کے دونوں فرزندوں کا سچا قصہ پڑھ کر سنایئے کہ جب دونوں نے قربانی دی اور ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی نہ ہوئی۔'' (سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۲۷)

اکثر ادیان کی تعلیمات اور احکام میں قربانی کا ذکر کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ مجموعی طور پر تاریخِ ادیان اور مختلف اقوام اور قبائل کی سرگزشت سے جو بات سمجھ میں آتی ہے' اُس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قربانی ایک قدیم دینی شعار ہے۔

ایک فرضیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج کے موقع پر مومنین کو کوئی حیوان ذبح کرنے پر اس لیے مامور کیا ہے' تاکہ اگر کسی حیوان صفت اور درندہ خصلت شخص کے اندر خونریزی اور جنگ وجدال کی خواہش چھپی ہوئی ہو' تو وہ (ایک حلال گوشت جانور ذبح کرکے) اپنی اس خواہش کی تسکین کرلے۔

اس عبادت کو سمجھنے کے لیے ایک دوسرا فرضیہ یہ ہے کہ انسان ایک ایسے حلال گوشت جانور کو ذبح کرکے' جو اس کی زندگی کے سرمائے کا ایک حصہ ہے' اور بسا اوقات اس کا ذریعۂ معاش بھی ہوتا ہے' اپنے لیے مفید اور اپنی محبوب شئے کو فدا کرے' اور ایک اچھی چیز خدا کی بارگاہ میں پیش کرے' اور اس آیت پر عمل کرے کہ:

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ."

تم نیکی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے' جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہِ خدا میں انفاق نہ کرو۔" (سورۂ آلِ عمران ۳۔ آیت ۹۲)

جو چیز قربانی کے اس عمل کو قدر و قیمت بخشتی ہے' اور انسان کی اللہ تعالیٰ سے قربت کا سبب بنتی ہے' وہ "نیت" ہے' جو رضائے الٰہی کا حصول ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں قربانی کے بارے میں فرماتا ہے:

"لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ."

"خدا تک اِن جانوروں کا گوشت جانے والا ہے اور نہ خون' اس کی بارگاہ میں صرف تمہارا تقویٰ جاتا ہے۔" (سورۂ حج ۲۲۔ آیت ۳۷)

یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہ آیت جاہلیت اور خرافات پر مبنی عقائد کی اصلاح کرنا چاہتی ہے' اور وہ لوگ جو راہِ خدا میں کسی جانور کی قربانی کرتے ہیں انہیں یہ سمجھانا چاہتی ہے کہ وہ یہ تصور نہ

کریں کہ خدا کو اُن کی قربانی کے گوشت اور خون سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے' بلکہ قربانی میں جو چیز سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے' وہ تقویٰ ہے' اور کسی بھی عمل میں جو چیز اسے ایک خدائی عمل بناتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر اور محفوظ کرتی ہے' وہ اس عمل کی روح اور اس کا باطن ہے۔ بشرطیکہ یہ عمل اخلاص کے ساتھ اور تقویٰ کی بنیاد پر انجام دیا گیا ہو۔

قربانی ایک سنتِ ابراہیمی ہے' اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی حج کے دوران قربانی کے بارے میں سوچے اور اُس کے ذہن میں حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کا خیال نہ آئے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے فرزند حضرت اسماعیلؑ نے آباد کیا تھا اور حج اُنہی کی یادگار ہے۔ کیا ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں' اور اُنہوں نے حکمِ خدا کی اطاعت کی اور حضرت اسماعیلؑ نے بھی حکمِ خدا کے سامنے گردن جھکا دی اور کہا:

"یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ."

"بابا جان! جس بات کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے' اُس پر عمل کیجیے' انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔" (سورۂ صافات ۳۷۔ آیت ۱۰۲)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمِ خدا پر عمل کرتے ہوئے چھری اٹھائی اور اپنے ہاتھ سے اپنے جوان بیٹے کے گلے پر پھیر دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چھری کو کاٹنے سے باز رکھا' اور فرشتہ وحی نے نازل ہو کر انہیں خدا کا یہ پیغام پہنچایا کہ:

"وَفَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ."

"اور ہم نے اس کا بدلہ ایک عظیم قربانی کو قرار دیا ہے۔"

(سورۂ صافات ۳۷۔ آیت ۱۰۷)

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ ایک بکرے کی قربانی کریں اور حاجی حضرت ابراہیمؑ کی اس قربانی کی یاد میں حج کے موقع پر قربانی کرتے ہیں۔

کیا وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح

کریں؟ اللہ تعالیٰ کیسے اس بات پر راضی ہوا کہ ابراہیمؑ خود اپنے ہاتھ سے اپنے خوش اطوار اور خوب رو، جوان فرزند کا سر تن سے جدا کریں، وہ بھی ایک ایسا فرزند جو ہزار آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد ضعیفی میں اُنہیں نصیب ہوا تھا؟ بنیادی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سخت کام کے ذریعے حضرت ابراہیم کا امتحان مقصود تھا، یہ دیکھنا تھا کہ کیا وہ راہ خدا میں اپنی عزیز ترین شے قربان کرنے پر تیار ہیں، کیا وہ ایمان کے مراتب میں سے یقین کے اس درجے تک پہنچ چکے ہیں کہ چاہے انہیں کسی عمل کا فائدہ، اُس کی حکمت اور اُس کا فلسفہ سمجھ نہ آئے، لیکن اگر یہ یقین ہو کہ اللہ ایسا چاہتا ہے، تو تسلیم محض ہو جائیں اور حافظ شیرازی کے بقول یہ کہیں کہ:

گر تیغ بارد در کوی آن ماہ — گردن نہادیم الحکمُ لِلّٰہ (۱)

یا شیخ سعدی کے بقول کہیں کہ:

بتا ہلاک شود دوست در محبت دوست
کہ زندگانی او در ہلاک بودن اوست (۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ، یعنی اللہ کے دوست تھے اور دوست کو اپنے دوست کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا چاہیے۔ بہر حال اس سخت ترین امتحان میں بھی ابراہیمؑ و اسماعیلؑ دونوں سرخ رو رہے۔ باپ رضائے الٰہی کی خاطر بیٹے کو قربان گاہ کی طرف لے گیا، اور بیٹے نے بھی خوشنودیٔ رب کے لیے اپنی گردن خنجر تلے رکھ دی، تاکہ بندگی، ایمان، یقین، اخلاص، تسلیم، صبر اور رضا کے معنی معلوم ہو سکیں۔

اب حاجیوں پر واجب ہے کہ وہ منیٰ میں حضرت ابراہیمؑ کی اقتدا کرتے ہوئے کسی جانور کی قربانی کریں۔ لیکن حج کے موقع پر اس واجب عمل کو انجام دینے والے ہر شخص کو اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ کیا وہ اپنے اسماعیل کو قربان گاہ میں لایا ہے، کیا وہ راہ خدا میں اپنی اولاد، اپنے

۱۔ اگر اس ماہ رخ کے کوچے میں تیغ، تلوار بھی برسیں تب بھی ہم سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہیں گے الحکم للہ۔

۲۔ چھوڑو دوست کو دوست کی محبت میں ہلاک ہونے دو کیونکہ اس طرح ہلاک ہونے ہی میں اس کی زندگی ہے۔

مال' اپنے مقام ومنصب اور خلاصہ یہ کہ اپنے نزدیک عزیز ترین چیز قربان کرنے پر تیار ہے؟

اگر وہ اس بات پر تیار نہیں' تو اسے جان لینا چاہیے کہ اُس کا حج' حج ابراہیمی نہیں ہے۔

ابراہیمؑ تو امتحان میں کامیابی کے بعد ایک جانور قربان کرنے پر مامور ہوئے تھے' ہم نے کونسے امتحان میں حصہ لیا ہے' ہم کس امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں؟

حلق یا تقصیر

ایک اور عمل جو منیٰ میں حاجی پر واجب ہے' وہ سر کے بال منڈوانا یا حلق ہے۔ حاجی جس نے احرام کے آغاز ہی میں اپنے لباسِ فاخرہ' زیب و زینت' عطر' جوتے اور ٹوپی تک کو' جو اس کے تشخص اور پہچان کے اسباب تھے چھوڑ دیا تھا' لیکن اب بھی اُس کے پاس ایک ایسی چیز باقی ہے جو اُسے زیبائی اور امتیاز بخشتی ہے' اور یہ اُس کے بال اور اُس کی زلفیں ہیں' جن پر وہ اتراتا ہے اور اپنی آدھی خوبصورتی کو انہی کے مرہونِ منت سمجھتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ منیٰ میں ایک اور تیشہ اس کے ہاتھ میں دیتا ہے' تاکہ وہ خود پرستی کی اس بنیاد پر ایک اور ضرب لگائے۔

بہ مے پرستی از آن نقش خود بر آب زدم
کہ تا خراب کنم نقش خود پرستیدن (۱)

کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان اعمال کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس دنیا اور اس کے امتیازات اور اس کی شان و شوکت سے قطع تعلق کی ایک مشق کریں؟ کیا یہی زلفیں' زینتیں' ہتھیار اور تخت و تاج نہیں جنہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندوں سے جدا کر کے اپنے آپ میں مشغول کر لیا ہے؟

۱۔ شراب خوری کے نشے میں میں نے اپنی تصویر پر پانی پھیر دیا' تاکہ خود پرستی کی تصویر کو خراب کر دوں۔ (حافظ شیرازی)

ہم اپنے ہی جال میں پھنسے ہوئے لوگ ہیں' اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس عظیم نماز میں ہم اس جال کی گرہوں کو ایک ایک کر کے کھول دیں' تا کہ ہم آزاد ہو جائیں اور اس عظیم نماز کی ادائیگی کے لیے حضورِ قلب پیدا کر سکیں۔

یا پھر حاجی کچھ ناخن یا تھوڑے سے بال کاٹنے کے بعد تقصیر کر لے' اور احرام سے خارج ہو جائے۔ اگرچہ اب بھی اہم ترین اعمال باقی ہیں اور اب بھی تمام چیزیں اس پر حلال نہیں ہوئی ہیں۔

ہنگامۂ طواف

پروانہ وار گردِ تو می گردم.....

جو حجاج کرام منیٰ میں رمیٔ جمرۂ عقبہ اور قربانی' حلق یا تقصیر کے فرائض انجام دے چکے ہوں' وہ بعض اعمالِ حج کی انجام دہی کے لیے' جو مسجد الحرام سے مخصوص ہیں' مکہ مکرمہ جا سکتے ہیں۔ منیٰ میں صرف گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی راتوں کا بیتوتہ واجب ہے' اور منیٰ کے اعمال میں سے عیدِ قرباں کے بعد جو اعمال باقی رہتے ہیں وہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کے دن تینوں جمرات کو کنکریاں مارنا ہیں۔ حاجی کو یہ اختیار ہے' کہ وہ چاہے تو منیٰ میں رہے اور ان اعمال کو انجام دینے کے بعد مکہ جائے اور چاہے تو تقصیر کے بعد مکہ چلا جائے اور مسجد الحرام کے اعمال انجام دینے کے بعد ''بیتوتہ'' اور ''رمیِ جمرات'' کے لیے دوبارہ منیٰ آ جائے۔

عام طور پر بہت سے حجاج کرام گیارہ ذی الحجہ کے دن منیٰ سے مکہ چلے جاتے ہیں اور (اسی دن) غروبِ آفتاب سے قبل دوبارہ منیٰ واپس آ جاتے ہیں' تاکہ بارہویں کی رات منیٰ میں گزار سکیں۔

حاجی جو آٹھ ذی الحجہ کے دن غروبِ آفتاب کے وقت مکہ میں ''مُحرم'' ہوا تھا' وہ دس ذی الحجہ کی شام تک تقریباً اڑتالیس گھنٹے احرام کے لباس میں گزار چکا ہوتا ہے۔ ان اڑتالیس گھنٹوں کے دوران وہ ایک نماز پڑھنے والے شخص کی سی حالت میں ہوتا ہے' اور اس بات کا پابند ہے کہ محرماتِ احرام کا خیال رکھے۔ وہ ایک ایسے مسافر کی مانند ہے جس نے عرفات سے مکہ کی جانب

اپنے سفر کا آغاز کیا ہو۔ وہ اپنے اس سفر کے دوران پہلے مرحلے میں عرفات سے مشعر الحرام جاتا ہے' پھر مشعر سے منیٰ آتا ہے اور وہاں کچھ عرصے سکون' حرکت' بیتوتہ' وقوف' دعائیں' نمازیں اور مناجات کے بعد اب مکہ واپسی اور وہاں مسجد الحرام میں جا کر کعبہ کے گرد پروانہ وار طواف کا قصد کرتا ہے۔

طواف' حج کی معراج اور اس کا خوبصورت ترین اور پُرعظمت ترین منظر ہے۔ کعبہ حج کا مرکز ثقل' اور طواف نقطۂ جوش وخروش اور جوش وخروش کی بالاترین حد ہے۔ اگر مشعر محشر تھا' تو طواف ایک ہنگامہ ہے۔ بغیر چھت کی ایک بہت بڑی سفید فام مسجد' جس کے عین وسط میں ایک سیاہ پوش گھر جس کے گرد دنیا بھر سے جمع ہونے والے سفید پوش افراد ایک سمت میں مسلسل حرکت کر رہے ہیں۔ ایک' دو یا دس دائروں کی صورت میں نہیں' بلکہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہزاروں دائروں کی شکل میں' مسجد الحرام کا پورا صحن طواف کرنے والوں کی باہم جڑی ہوئی صفوں سے بھرا ہوا ہے' بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کے اس کے برآمدوں میں اور اس کی دوسری اور تیسری منزلوں پر بھی بے شمار لوگ اس گھر کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔

طواف کی عظمت اور اس کی شان وشوکت قابلِ دید ہے' اس کی ہیبت سب کو مبہوت کر دیتی ہے۔ انسان بے اختیار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرنے لگتا ہے' اُن کی زندگی کے اُس دن کو جب وہ اپنی بیوی حاجرہ اور اُن کے نومولود بیٹے اسماعیل کو لے کر یہاں آئے تھے' اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے دعا کی تھی کہ:

"رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ."

"پروردگارا! میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے' تاکہ نمازیں قائم کریں' اب تُو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما' تاکہ وہ تیرے شکر

گزار بندے بن جائیں۔" (سورہ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۳۷)

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بہترین صورت میں قبول ہوئے چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور وہ (ابراہیم) صبح و شام عالم ملکوت کے کسی دریچے سے سر باہر نکال کر اس گھر کا نظارہ کرسکتے ہیں کہ کس طرح لاکھوں لوگوں کا انبوہ کثیر اپنے پورے ذوق و شوق کے ساتھ کل کی اس بنجر اور بے آب و گیاہ وادی کی طرف ٹوٹا پڑتا ہے اور وہ (ابراہیم) اپنی اس دعا کی قبولیت پر اللہ تعالٰی کا شکر ادا کرتے اور اپنے آپ پر فخر کرتے ہیں۔

طویل تاریخ نے کعبہ دنیا پر اسلام کا سر بلند پرچم ہے اور طواف مسلمانوں کے عشق و شوق کی تیز ہواؤں سے اس پرچم کے لہرانے کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ جب تک کعبہ کی یہ رونقیں برپا ہیں اور جب تک مسلمانوں کی اس کے گرد موجودگی کی برکت سے یہ پرچم سربلندی کے ساتھ لہرا رہا ہے اس وقت تک اسلام باقی اور برقرار رہے گا۔ کعبہ عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے اور جب تک یہ دل دھڑک رہا ہے اس وقت تک اسلام اور مسلمان زندہ رہیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک مختصر خطاب میں بعض احکام الٰہی کا فلسفہ اور ان کی حکمت بیان کی ہے وہاں جب آپ ایمان کو شرک سے پاک ہونے کا ذریعہ نماز کو غرور اور تکبر سے نجات کا موجب زکات کو رزق و روزی میں اضافے کا وسیلہ اور روزے کو لوگوں کے اخلاص کی آزمائش کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے حج تک پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں:

"والحجّ تقوية للدّين."

"اور (اللہ نے) حج کو اس لیے واجب قرار دیا ہے تاکہ یہ دین کی تقویت کا سبب بنے۔" (نہج البلاغہ۔ کلمات قصار ۲۵۲)

حضرت علی علیہ السلام ہی اپنی آخری گفتگو یعنی امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے نام اپنی وصیت میں فرماتے ہیں:

"اللّٰه اللّٰه في بيتِ ربّكم، فلا يخلوا ما بقيتم، فانّه ان تُرك لم تُناظَروا."

"اللہ اللہ اپنے پروردگار کے گھر کے بارے میں ہشیار رہنا اور جب تک زندہ ہو اسے خالی نہ ہونے دینا' کیونکہ اگر اسے (خالی) چھوڑ دیا گیا' تو تم دیکھنے کے لائق بھی نہ رہ جاؤ گے۔" (نہج البلاغہ۔مکتوب ۴۷)

دین کی تقویت اور اس کی بقا اور دوام میں حج کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ فقہا کا کہنا ہے کہ اگر بالفرض ایسا وقت آ جائے کہ لوگ مختلف اسباب و وجوہات مثلاً فقر اور تنگدستی کی وجہ سے حج پر نہ جا سکیں' تو مسلمانوں کے حاکم پر واجب ہے کہ وہ بیت المال کے خرچے سے کچھ لوگوں کو حج کے لیے بھیجے' تاکہ خدا کا گھر خالی نہ رہے اور پرچم اسلام اپنی جگہ قائم و دائم رہے۔

طواف کرنے والے لوگوں کے جم غفیر کی صفیں پوری شان و شوکت اور اطمینان کے ساتھ آہستہ آہستہ اور مسلسل خانۂ کعبہ کے گرد چکر لگاتی ہیں۔ گویا ایک بہت بڑی چکی کا پاٹ ایک محکم و استوار محور کے گرد چکر لگا رہا ہو۔ چکی کا یہ پتھر امت واحدۂ اسلام ہے' جو دن رات طواف میں مشغول ہے' اور اس کا وہ محور خانۂ کعبہ ہے' جو اپنی جگہ مستحکم اور استوار اس مجمع کا مرکز ہے۔ کوئی مسلمان یہاں اپنے آپ کو بے آسرا اور تنہا محسوس نہیں کرتا۔ طواف عالمی اسلامی اجتماع کی ایک تصویر ہے۔ مختلف اقوام اور قبائل سے تعلق رکھنے والے' اور مختلف رنگ و نسل اور زبانیں بولنے والے مسلمان' جن میں سے ہر قوم اور قبیلے کی ایک خاص ثقافت اور ایک قومی شناخت ہے' لیکن یہاں خانۂ کعبہ کے پہلو میں ان میں سے کوئی بھی اختلاف' خصوصیت یا فرق (مسلمانوں کے) اس اتحاد اور وحدت کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ ایک وسیع چھتری ان کے سروں کے اوپر کھول دی گئی ہے' اور ان تمام خصوصیات اور امتیازات کو ایک عظیم وحدت کا روپ دے دیا گیا ہے۔ انھوں انتہائی نازک' باریک چھوٹے بڑے اور رنگین دھاگوں سے ایک بہت بڑا اور شاندار مورکا پر بنایا گیا ہے' جس کی زیبائی اُسے دیکھنے والے ہر شخص کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ دنیا کے کسی بھی مقام پر کعبہ کے گرد طواف کی مانند توحید کا وحدت آفرین منظر دیکھا نہیں جا سکتا ہے۔ سب کی نگاہیں خانۂ کعبہ پر لگی ہیں اور انہوں نے اپنے ہاتھوں کو بیعت کی علامت کے طور پر "حجر اسود" کی طرف بڑھایا ہوا ہے' جسے زمین پر خدا کے ہاتھ کی علامت کہا گیا ہے' اور سب کے سب ایک ہی سمت

میں مرکز توحید کعبہ کے گرد طواف میں مشغول ہیں۔ مادی، طبیعی اور جغرافیائی اختلافات سے انتہائی بلند ایک حقیقی وحدت کی بنیاد رکھی گئی ہے ایک ایسی وحدت جو نظم، تحرک اور پیشرفت کے ہمراہ ہے۔

"اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ."

"بے شک تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں لہٰذا میری ہی عبادت کیا کرو۔" (سورۂ انبیا ۲۱۔ آیت ۹۲)

مسجد الحرام کی مانند دنیا کی کسی اور جگہ پر لوگوں کے اتنے بڑے جم غفیر میں روح عرفان نہیں پھونکی جاتی۔ جو لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ عرفان کے لیے انسانوں کے اجتماع اور معاشرے سے دوری اور گوشہ نشینی لازم ہے وہ آئیں اور خانہ کعبہ کے گرد مسلمانوں کے طواف کو دیکھیں سب کے سب شیفتہ اور اپنے آپ سے بے خبر ہیں سب کے دل اللہ کی جانب متوجہ ہیں ہر ایک اپنی اپنی دعائیں پڑھنے اور ذکر میں مشغول ہے لاکھوں رنگ برنگ پروانے ایک ہی شمع کے گرد گھوم رہے ہیں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز پیالے بنی ہیں اور دل آتش شوق سے پُر آتش دان گویا سب کے سب ایک عظیم نماز کی ادائیگی میں مصروف ہیں۔ اس پُرتلاطم دریا کا ہر قطرہ اپنی جگہ خود عشق و ایمان اور عبادت کا ایک سمندر بنا ہوا ہے۔ سب مدہوش اور اپنے آپ سے بے خبر اپنے آپ کو بھلائے ہوئے خانۂ خدا کی جانب نگاہیں گاڑے اس گھر کے مالک کے مجذوب بنے ہوئے ہیں اور مختلف زبانوں کے باوجود آپس میں ہمدل ہیں اور جانتے ہیں کہ:

همدلی از همزبانی بهتر است عشق را خود صد زبان دیگر است (۱)

مختلف اقوام کے لوگ توحید کی برکت سے آپس میں بھائی بہن بنے ہوئے ہیں۔ جب آپ اپنے اردگرد نظر ڈالتے ہیں تو پورے عالم اسلام کو ایک گھر میں جمع پاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے نقوش کے مالک اور خاموش طبع انڈونیشی اور ملائیشیائی باشندے عابد و عارف ہندوستانی

۱۔ (راہ محبت میں) ہم زبانی سے زیادہ بہتر ہم دلی ہے کیونکہ عشق کی سو زبانیں ہوتی ہیں۔

اور پاکستانی' رنجیدہ افغانی' بیدار ایرانی' قرآن کی زبان بولنے والے عرب' ترکی کے باوقار اور باادب ترک اپنی خواتین کے ساتھ جو اپنی حکومت کی پالیسی کے برخلاف باحجاب' اچھی طرح ڈھکی چھپی ہوئی اور باوقار ہیں' پہلی ہی نگاہ میں دوسروں کا احترام حاصل کر لینے والے مصری' مغربی' تیونسی' الجزائری' مختصر یہ کہ افریقی' سوڈانی اور سینگالی سیاہ فاموں سے لے کر نائیجیریہ' مرکزی اور جنوبی افریقہ کے باشندوں تک سب کے سب خدا کی دعوت پر خانۂ خدا میں مہمان بنے ہوئے ہیں' خوشی سے اشکبار ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی زبان اور لہجے میں رازِ دل بیان کر رہا ہے' لیکن زبانوں کا یہ فرق اُن کے درمیان اختلاف کا سبب نہیں' کیونکہ سب نے اپنے دلوں کو خدا کی جانب متوجہ کیا ہوا ہے اور ہر قسم کے امتیازات' تشخص اور فرق کو طواف کی سفید چادر کے پاٹ کے درمیان پیس کر ریزہ ریزہ اور نابود کرنے کے بعد دور پھینک دیا ہے۔

کبھی آپ بوسنیا کی ایک لڑکی کو دیکھتے ہیں' جو آنسو بہاتے ہوئے اپنی قوم اور ملت کو درپیش مشکلات اور تکالیف بیان کر رہی ہے' کبھی کسی نومسلم یورپی باشندے کو دیکھتے ہیں جو قبولیت اسلام کا شرف پا کر پورے ذوق وشوق کے ساتھ دوسرے مسلمانوں سے آملا ہے جو اسے اپنا بھائی یا بہن سمجھتے ہیں۔

کبھی آپ کی ملاقات کسی ایسے سیاہ فام امریکی مسلمان سے ہوتی ہے جو یہاں اس لیے آیا ہے تاکہ مسلمانوں کی تعلیمات میں برابری' مساوات اور بھائی چارے کے حقیقی معنی جان سکے اور نیویارک اور لاس اینجلس کی سفید فام پولیس کی بے رحمی اور سیاہ دلی پر ان سے اپنی نفرت کا اظہار کر سکے۔ یہاں سب مسلمانوں نے تمام رنگوں کو توحید کے آبِ زلال سے دھو ڈالا ہے۔

بہت سے لوگ ہیں جو اس عظیم جمعیت اور اس ہم آہنگ حرکت کو دیکھ کر بے اختیار عالمِ اسلام کو درپیش مشکلات اور مسائل کو یاد کرتے ہیں' ان میں سے بہت سی مشکلات اور مسائل ایسے ہیں جو خود مسلمانوں کے آپسی اختلافات' تفرقے اور باہمی تنازعات کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ سے پوچھتے ہیں کہ آخر کیوں مسلمان خانۂ کعبہ میں اپنے اس عظیم الشان اجتماع کو ایک دوسرے سے آشنائی حاصل کرنے' مسلمانوں کو درپیش مشکلات کی نشاندہی کرنے

اور ان مشکلات کے حل تلاش کرنے کے لیے استعمال نہیں کرتے؟ کیا یہ گھر خانۂ خدا ہونے کی بنا پر لوگوں کا گھر نہیں ہے؟ کیا خداوند متعال نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ:

''اِنّ اوّل بیتٍ وُّضع للنّاس للّذی ببکّۃ مُبٰرکًا وّھُدًی لِّلعٰلمین۔''

''بے شک سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے، وہ مکہ میں ہے، مبارک ہے اور عالمین کے لیے مجسم ہدایت ہے۔''

(سورۂ آل عمران ۳۔ آیت ۹۶)

اگر یہ گھر لوگوں کا گھر ہے تو پھر کیوں فلسطین، لبنان، بوسنیا، کشمیر اور افغانستان کے مسلمانوں کے مسائل اور مشکلات کے بارے میں فیصلے واشنگٹن، پیرس اور لندن میں کیے جاتے ہیں؟

کیا یہ وہی مسجد الحرام نہیں، جو مساوی طور پر تمام انسانوں سے تعلق رکھتی ہے؟

''...والمسجد الحرام الّذی جعلنٰہ للنّاس سوآءً العاکف فیہ والباد۔''

''مسجد الحرام کہ ہم نے مساوی طور پر تمام انسانوں کے لیے بنایا ہے، چاہے وہ مقامی ہوں یا باہر والے۔'' (سورۂ حج ۲۲۔ آیت ۲۵)

کیا یہ وہی گھر نہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کے قیام اور استحکام کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

''جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیٰمًا للنّاس۔''

''اللہ نے کعبے کو لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔'' (سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۹۷)

اور کیا یہ وہی حج نہیں، جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس لیے بلایا ہے تاکہ وہ اپنے منافع کا مشاہدہ کریں؟

''لیشھدوا منافع لھم۔''

''تاکہ وہ اپنے منافع کا مشاہدہ کریں۔'' (سورۂ حج ۲۲۔ آیت ۲۸)

اور کیا مسلمانوں کا اپنے دوست اور دشمن کو پہچاننا، ایک دوسرے کی طرف اتحاد اور یکجہتی

کا ہاتھ بڑھانا اور مسلمانوں کی عزت و وقار کے حصول اور ان کے دشمنوں اور اغیار سے انہیں بے نیاز کرنے کے لیے راہِ حل ڈھونڈنا عالم اسلام کی منفعت میں شامل نہیں؟ تو پھر آخر کیوں حج کے موقع پر اس قسم کے مسائل کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جاتی اور آخر کیوں حج کے موقع پر مسلمانوں کی سیاست اور اقتصاد میں بہتری اُن کے ایک مشترک اقتصادی بازار کے قیام ان کو درپیش آلام و مشکلات فقر و افلاس جاہلیت اور مسلم کشی کے علاج کے لیے کوئی بات نہیں کی جاتی۔ اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی عظیم الشان نمازِ جمعہ کے خطیب حضرات کی زبان پر آنے والے انتہائی سیاسی الفاظ چیچن مسلمانوں کے حق میں بس چند دعائیہ کلمات ہوا کرتے ہیں جبکہ اُن میں بھی سیاسی مصلحتوں سے کام لیا جاتا ہے۔

کیوں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حج کے موقع پر مشرکین سے برائت کے حوالے سے کوئی بات کر سکے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ:

"وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ....."

"اور اللہ و رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن انسانوں کے لیے اعلانِ عام ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بیزار ہیں۔" (سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۳)

ہر وہ مسلمان جو اسلامی ممالک کی پس ماندگی اور اُن کے دشمنوں اور اغیار کے محتاج ہونے پر آزردہ ہے اور مسلمانوں کی عزت و سربلندی اور مسلمانانِ عالم کے درمیان وحدت کا خواہاں ہے وہ اس بات کی تصدیق کرے گا کہ حج میں عالم اسلام کو درپیش مسائل و مشکلات کو دور کرنے کی صلاحیت اور قابلیت اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا اس سے اس وقت فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور یہ عظیم مدرسہ ہمیں سکھانے کے لیے اپنے اندر بہت سے سبق رکھتا ہے۔

بہر حال حاجی منیٰ سے مسجد الحرام آ جانے کے بعد شروع میں سات مرتبہ خانۂ کعبہ کے گرد چکر لگاتا ہے۔ طواف کا آغاز اُس کونے سے ہوتا ہے جس کونے میں "حجرِ اسود" نصب ہے۔ یہاں سے تھوڑا سا آگے بڑھ کر کعبہ سے کچھ فاصلے پر مقامِ ابراہیم واقع ہے۔ حاجی خانۂ کعبہ کے گرد

طواف کے دوران تھوڑا اور آگے بڑھے تو حجر اسماعیل کے پاس سے گزرتا ہے۔ ضروری ہے کہ تمام طواف کرنے والے ایک ہی سمت میں طواف کریں اور ہمیشہ طواف کے دوران کعبہ اُن کے بائیں جانب رہے' بالفاظ گھڑی کی سوئیوں کی حرکت کے مخالف جانب (Anticlockwise) حرکت کرے۔

طواف کرنے والے کا بدن اور اس کا لباس پاک ہونا چاہیے اور اسے باوضو بھی ہونا چاہیے۔ طواف کے دوران کوئی مخصوص ذکر پڑھنا واجب نہیں ہے' لیکن بہت سی دعائیں نقل کی گئی ہیں جن کا پڑھنا مستحب ہے' اور حجاج کرام عام طور پر انہی دعاؤں کو پڑھتے ہیں۔ وہ حجاج جو ایک گروپ کی صورت میں اکٹھے ہو کر طواف کرتے ہیں' وہ ان دعاؤں کو باآواز بلند ایک ساتھ مل کر پڑھتے ہیں۔ ان میں سے ہر گروہ کا ایک خاص لہجہ اور آہنگ ہوتا ہے' مختصر یہ کہ

ھر کس بہ زبانی صفت حمد تو گوید
بلبل بہ غزلخوانی و قمری بہ ترانہ (۱)

طواف کے بعد ایک اور واجب عمل جسے انجام دینا چاہیے' وہ ''نماز طواف'' ہے' جو دو رکعت ہوتی ہے' اور جسے مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھا جاتا ہے۔ ایک بڑی اور عظیم نماز کے درمیان ایک چھوٹی نماز۔

۞۞۞۞

۱۔ ہر کوئی اپنی اپنی زبان میں تیری حمد کرتا ہے' بلبل غزل سرائی کر کے اور فاختہ ترانے گا کے۔

سعی

ایک جوان خاتون' اپنے چند مہینے کے نومولود بچے کے ہمراہ' خانہ کعبہ کے نزدیک' ایک خشک اور گرم سرزمین پر سکونت اختیار کرتی ہے۔ اس عورت کا نام حاجرہ ہے' اور اس کے بچے کا نام اسماعیل۔ یہ سرزمین قرآنِ کریم کی تعبیر کے مطابق "غیر ذی زرع" ہے' یعنی اس میں کھیتی باڑی' سرسبزی و شادابی اور پانی کا نام و نشان نہیں ملتا۔ بچہ پیاس کی شدت سے بلک بلک کر رونے لگتا ہے' اور اس کی ماں اسے ایک کونے میں ایک سائبان کے نیچے لٹا کر حیران و پریشان ہے کہ کیا کرے' اور کہاں سے اپنے بچے کے لیے پانی لائے۔

یہ عورت اور یہ بچہ خدا کے نبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی بیوی اور بچہ ہیں۔ بچہ پیاس سے بیتاب ہے اور اس کی ماں سراسیمگی کے عالم میں پانی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اتنے میں اس کی نظر کچھ فاصلے پر واقع دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر پڑتی ہے' اس امید پر کہ شاید وہاں کچھ پانی مل سکے یا کوئی انسان نظر آ جائے' وہ ماں پریشان حالی اور بے بسی کے عالم میں ان میں سے ایک پہاڑی یعنی کوہِ صفا کی طرف جاتی ہے' اور وہاں سے دوڑتی ہوئی اس دوسری پہاڑی یعنی مروہ کی طرف جاتی ہے' لیکن اسے وہاں نہ تو پانی ملتا ہے اور نہ ہی کوئی انسان نظر آتا ہے۔ وہ ایک مرتبہ پھر صفا کی طرف پلٹتی ہے' اور باوجود یہ کہ وہ جانتی ہے کہ اس رفت و آمد کا کوئی فائدہ نہیں لیکن اپنے بچے کی تشنگی اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی اور وہ مجبوراً مضطر و مضطرب' گرتے پڑتے صفا سے مروہ

اور مروہ سے صفا کے درمیان نسبتاً طویل فاصلہ سات مرتبہ طے کرتی ہے۔ وہ جس قدر پانی تلاش کرتی ہے اُتنا ہی اسے پانی کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ آخر کار وہ خالی ہاتھ اور رنجیدہ دل لیے اپنے بچے کے پاس آتی ہے تاکہ اُسے اپنی آنکھوں سے موت کی آغوش میں جاتا دیکھے۔ لیکن انتہائی تعجب کے ساتھ دیکھتی ہے کہ زمین سے پانی ابل رہا ہے ٹھیک اسی جگہ جہاں اسماعیل پیاس کی شدت کی وجہ سے زمین پر اپنی ایڑیاں رگڑ رہے تھے پانی کا ایک چشمہ جاری ہے۔

حاجرہ اپنے اور اپنے بیٹے اسماعیل کے حق میں لطف الٰہی کا مشاہدہ کر کے حیرت، شکر اور خوشی میں ڈوب جاتی ہیں اور اس بہتے اور موجیں مارتے پانی سے کہتی ہیں "زمزم" یعنی ذرا آہستہ بہو۔ ہزاروں برس گزر چکے ہیں لیکن یہ پانی اُسی طرح ابل رہا ہے اور مکہ کی رونق و برکت اور حجاج کی سیرابی کا وسیلہ ہے۔

حاجی جو طواف میں اپنے محبوب کے گھر کے گرد چکر لگا چکا ہے اب اُس پر واجب ہے کہ وہ حاجرہ اور اُن کے درد والم اور مدد کے لیے اُن کے گڑگڑانے اور اُن کے استغاثے کو یاد کر کے اُنہی کی طرح سات مرتبہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کی مسافت طے کرے جسے "سعی" کہتے ہیں اور مستحب ہے کہ راستے کے کچھ حصے کو تیزی سے طے کرے وہاں خراماں خراماں نہ چلے بلکہ اصطلاحاً "هَرْوَلَه" کرے۔ (۱) یعنی دوڑنے اور چلنے کی درمیانی حالت اختیار کرے تاکہ حاجرہ کے درد والم آرزومندی طلب اور ناامیدی کو بہتر طور پر یاد کر سکے اور وہ حاجرہ کی مانند بارگاہ الٰہی میں دست نیاز دراز کرے اور اُس سے اپنی حاجت طلب کرے۔

طواف چکر لگانے اور محبوب کے گھر کے گرد گھومنے کا عمل تھا اور اُس عاشق کی شیفتگی کی علامت ہے جو اپنے محبوب کے پاس پہنچ کر پروانہ وار اُس کے گرد گھومتا ہے جبکہ سعی بے چینی کے ساتھ اِدھر اُدھر بھٹکنا، رفت و آمد اور اضمحلال اور پریشانی کی علامت ہے اس سے تردد، حیرت واستعجاب، پریشانی و سرگردانی اور مقصود کو پانے کے لیے سعی کا اظہار ہوتا ہے۔ طواف سے زیادہ تر

۱۔ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے۔

’’امید‘‘ کی ترجمانی ہوتی ہے اور سعی سے ’’خوف‘‘ کی اور طواف اور سعی بیم و امید اور خوف و رجا کی علامات ہیں۔

طواف کی مانند سعی بھی قابل دید اور حیرت انگیز ہے۔ اگر طواف ایک گھومتی ہوئی تجلی سے شباہت رکھتا ہے تو سعی دو ایسی مسلسل بہتی نہروں سے مشابہ ہے جو چودہ سو برس سے صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک جاری ہیں اور اس میں حاجیوں کی دعاؤں کے غلغلے اور نالے ان کے ہمراہ ایک لمحے کے لیے بھی قطع نہیں ہوتے۔

طاق ورواق میکدہ ہرگز تہی مباد

از ہای وہوی و عربدہ بادہ خوارہ

❁❁❁❁

طوافِ نسا

ابھی اعمالِ حج کا اختتام نہیں ہوا ہے۔ مسجد الحرام میں طوافِ نسا اور نمازِ طواف نامی ایک طواف اور ایک نماز باقی رہتے ہیں' اور منیٰ میں بھی دو راتوں کا بیتوتہ' اور دو مرتبہ تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنا ابھی باقی ہے۔ اس سے پہلے کتاب کے شروع میں ہم نے کہا تھا کہ: ''حج ایک عجیب اور حیرت انگیز عبادت ہے' ایک انتہائی پیچیدہ' مشکل' طولانی اور راز و رموز اور اسرار آمیز اشارات سے لبریز عبادت ہے۔'' اب ہم تصور کرتے ہیں کہ وہ قاری جس نے اس کتاب کو ابتدا سے اس مقام تک پڑھا ہے' وہ بہت حد تک ہمارا ہم خیال ہو چکا ہوگا۔

حج کے اعمال میں سے ایک قابلِ غور اور فکر انگیز عمل طواف نسا ہے۔ حاجی چاہے مرد ہو یا عورت' طواف' نمازِ طواف اور سعی کے بعد اُس پر واجب ہے کہ ایک بار پھر سات مرتبہ خانۂ کعبہ کے گرد چکر لگائے اور ایک مرتبہ پھر مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے اور اس عمل کو بھی حج کے دوسرے اعمال کی طرح عبادت کی نیت سے اور حجِ تمتع کے واجبات کے ایک حصے کے عنوان سے انجام دے۔ اگر (حاجی) اس طواف اور نمازِ طواف کو انجام نہ دے' تو نہ صرف اُس کا حج ناقص اور نامکمل رہے گا' بلکہ اس کی اپنی شریکِ حیات کے ساتھ ہم بستری بھی اُس پر حرام ہو جائے گی۔ یعنی اگر وہ (حاجی) مرد ہو' تو اُس پر اُس کی بیوی حرام ہو جائے گی' اور اگر عورت ہو' تو اُس پر اُس کا شوہر حرام ہو جائے گا۔ چاہے حج کے موقع پر وہ شادی شدہ ہو' یا غیر شادی شدہ۔

واقعاً کیا یہ عمل حج کے اسرار و رموز میں سے نہیں ہے' کیا یہ جائے تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کچھ ایسے اعمال کے درمیان' جن کا مجموعی مقصد حبِ نفس کی نفی' نفسانی خواہشات سے روگردانی اور شیطان کی مخالفت ہے' امتیازات اور ظاہری پہچانوں کی نفی' اور خالق و معبود اور معشوقِ حقیقی کی جانب توجہ ہے' اچانک وہ حج میں مشغول مرد و زن سے کہتا ہے کہ: اب جبکہ تم مُحرِم ہو چکے ہو' اور تم نے عالمِ حج میں قدم رکھ دیا ہے' تم پر جنسی لذت کا حصول حرام ہے' جب تک کہ تم ایک مرتبہ پھر خانۂ خدا کا طواف نہ کر لو اور دو رکعت نمازِ طواف نہ پڑھ لو؟

کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ حج کی حقیقت اور اس کی تہ تک پہنچ گیا ہے' اور اُس نے تمام مناسکِ حج کا فلسفہ دریافت کر لیا ہے' البتہ کوئی اس عذر کے سہارے اسرارِ حج سمجھنے کی کوشش سے دست کش بھی نہیں ہو سکتا۔ قرآن و حدیث کی رہنمائیوں اور اپنی دینی اور مذہبی تعلیمات سے فیضان حاصل کرتے ہوئے ہمیں اپنے آپ کو حج کے ظاہر سے اُس کے باطن کے قریب کرنا چاہیے' اور اُس کے فلسفے اور فوائد کے بارے میں تفکر اور تعقل کرنا چاہیے۔

طوافِ نسا اور اس کی نماز کی حکمت اور اس کا فلسفہ سمجھنا آسان کام نہیں' لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خدا جس نے احرام کی حالت میں حاجی پر فطرت میں تصرف کو حرام قرار دیا ہے' اور اسے درخت اور گھاس پھوس توڑنے' اور جانوروں کو مارنے سے منع کیا ہے' وہ انسان کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ ہم بستری اور جنسی عمل بھی باوجود یہ کہ ایک فطری عمل ہے' انسان اور خدا کے درمیان رابطے کی بنیاد پر بامعنی ہوتا ہے' اور اسے توحید کی فضا اور توحید کی چھتری کے زیرِ سایہ خدا کے اذن اور اس کی اجازت سے ہونا چاہیے۔

حاجی جب اعمالِ حج کے اس مرحلے تک پہنچتا ہے' تو دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنی عمر اور زندگی کی اس راہ پر توقف اور چیکنگ کے لیے ٹھہر جاؤ (stop for chaking) کی ایک علامت کا سامنا کرتا ہے۔ کس لیے؟ اس لیے تاکہ یہ معلوم اور واضح ہو جائے کہ اس کی ازدواجی زندگی' چاہے وہ پہلے شروع ہو چکی ہو' یا آئندہ شروع ہونے والی ہو' ایک دینی عمل ہے' اور اُسے لازماً خدا کے اذن اور اُس کی اجازت سے ہونا چاہیے۔ صحیح ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہو' تو اُس نے اپنی شادی کے

آغاز میں عقدِ نکاح کے ذریعے ایک مرتبہ اللہ سے اجازت حاصل کر لی تھی اور اُس نے اپنی ازدواجی زندگی کو خدائی رنگ دیا ہوا ہے۔ لیکن یہاں حج کے سفر میں ایک مرتبہ پھر اُس کے پاسپورٹ پر مہر تائید لگنی چاہیے' بصورتِ دیگر اُس کے لیے اس علاقے سے گزرنا ممکن نہیں ہوگا۔ بالفاظِ دیگر' اللہ تعالیٰ حج کے موقع پر ایک مرتبہ پھر تمام شادی شدہ مردوں اور عورتوں کا اپنے گھر میں اور اپنے حضور میں ایک دوسرے کے ساتھ عقد کرتا ہے اور انہیں بھی جن کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی ہے' آئندہ کے لیے ایک اجازت نامہ عطا کرتا ہے' تاکہ انہیں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

بہرحال ''چیکنگ کے لیے ٹھہریے'' کا یہ بورڈ اُسے خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے سوچ میں ڈال دیتا ہے' اور چاہے اسے پتا چلے یا نہ چلے اُس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ یہ بات سمجھ لیتا ہے کہ ازدواج محض ایک حیوانی عمل نہیں ہے' اور اگرچہ یہ دو انسانوں کے درمیان فطری رابطے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے' اس کے باوجود ایک تیسرا رکن بھی اس امر میں دخل رکھتا ہے' اور وہ خدا کا اذن اور اُس کی اجازت ہے۔ لہٰذا ازدواج ایک الٰہی' قدسی' معنوی اور خدائی امر ہو جاتا ہے' باوجود یہ کہ یہ ایک انسانی' فطری' مادّی اور حیوانی امر بھی ہے۔

کہا جا سکتا کہ طوافِ نسا اور اس کی نماز ازدواج پر خدائی نور کی تابانی' اور قدسی رنگ کی برسات ہے' اور ایسا مسلمان جو اس نور کی روشنی میں ازدواجی زندگی پر نگاہ ڈالے گا' وہ لازماً جنسی تعلق کو ایک بے قید و بند مقصد براری کے طور پر نہیں دیکھے گا' اور اس کے بعد وہ جنسی تعلقات میں بے لگام آزاد نہیں رہ سکے گا۔

بے شک طوافِ نسا اور اس کی نماز اسلامی معاشرے میں عفت اور پاکدامنی کو تقویت پہنچانے میں موثر واقع ہوتی ہے۔ ایسا شخص جو حج پر آیا ہو' جب یہ دیکھتا ہے کہ اپنی شرعی اور قانونی شریکِ حیات کے ساتھ ازدواجی تعلقات جاری رکھنے کے لیے' وہ خداوندِ متعال سے اجازت لینے کا پابند ہے' اور اس سلسلے میں اُس پر واجب ہے کہ وہ خانۂ خدا کا طواف کرے' اور اُس کے قریب دو رکعت نماز پڑھے' تو کیسے ممکن ہے کہ اس کے بعد وہ خدانخواستہ' شرع کے برخلاف اور رضائے الٰہی کے منافی' کسی کے ساتھ ناجائز جنسی تعلق برقرار کرے' بے لگام ہو جائے' اور جنسی

تعلقات میں خدا کے مقرر کردہ قانون کو قبول نہ کرے اور اس سرکش گھوڑے کو لگام نہ دے؟

گویا اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ بات باور کرانا چاہتا ہے کہ جنسی خواہش ایک سرکش آگ ہے جسے تقویٰ کے ذریعے قابو کرنا چاہیے۔

بے سبب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی میں انجام دیے جانے والے بے حساب کاموں میں سے صرف جنسی عمل کا انتخاب کیا ہے اور اسے اعمالِ حج کی فہرست میں جگہ دی ہے اور کتابِ حج میں اس کے لیے ایک علیحدہ باب مختص کیا ہے۔ گویا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ بات جان لیں کہ جنسی خواہش شیطان کا ایک بڑا اور مہیب جال ہے بارودی سرنگ ہے اگر کسی نے بے احتیاطی کرتے ہوئے اس پر قدم رکھا تو وہ دھماکے سے اُڑ جائے گا!

کیا ایسا نہیں ہے کہ حاجی حج کے موقع پر اپنے آپ کو شیطان کی قید سے آزاد کرانا اور بندگیٔ رب کی عزت و شرافت کا حصول چاہتا ہے؟ کیا ایسا نہیں کہ شیطان کے ہاتھ دوسری خواہشات کے مقابلے میں جنسی خواہش کے میدان میں زیادہ کھلے ہوتے ہیں؟

پس اللہ تعالیٰ انسان کو شیطان کے خطرناک ترین جالوں میں سے ایک جال اور لغزش گاہوں میں سے ایک انتہائی اہم اور خطرناک لغزش گاہ کی نشاندہی کراتا ہے اور حج کے موقع پر طوافِ نسا اور اس کی نماز کے ذریعے ضمنی طور پر اُس سے چاہتا ہے کہ وہ اپنے خدا سے یہ عہد کرے کہ وہ اپنے جنسی تعلقات میں شیطان کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے گا اور حکمِ خدا اور رضائے الٰہی کے برخلاف کوئی عمل انجام نہیں دے گا۔ استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ اپنی کتاب ''مسئلۂ حجاب'' میں جنسی خواہش کے بارے میں ایک داستان نقل کرتے ہیں اتفاقاً یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا تھا وہ کہتے ہیں کہ:

> ''حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عورت کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ فضل بن عباس رسولِ اکرمؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ فضل اور اُس عورت کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہونے لگا رسولِ اکرمؐ نے دیکھا کہ یہ دونوں ایک دوسرے میں کھو گئے ہیں اور اس عورت کی پوری توجہ اپنے

مسئلے کا جواب سننے کی بجائے فضل پر مرکوز ہے' جو ایک نوخیز اور خوبصورت جوان تھے۔ اس پر آپ نے اپنے دست مبارک سے فضل کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا' اور فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں شیطان اس جوان مرد اور عورت کے درمیان قدم نہ رکھ دے۔''(۱)

یقیناً جنسی تعلقات کے خدائی ہونے پر اس قدر تاکید اور توجہ' اور طواف نساء اور اُس کی نماز کو حج کے درمیان جگہ دینے سے اسلامی معاشرے میں پاکدامنی کے فروغ اور جنسی اخلاق کے استحکام میں مدد ملے گی' اور یہ گھرانے کی بنیاد کو مضبوط اور مستحکم کرے گا' اور بے عفتی کے نتیجے میں خاندانوں کی ٹوٹ پھوٹ' اور ماں اور باپ کی بے راہ روی کی وجہ سے بچوں کے بے سرپرست ہونے' بے گھر ہونے' پریشاں حال ہونے اور ان کی زندگیاں تباہ ہونے کی روک تھام ہوگی۔ اس بات کے ثبوت کے لیے عدالتوں میں موجود جنسی جرائم کی فائلوں کا جائزہ لے کر اور اُن مجرموں کے بارے میں اعداد و شمار کے مطالعے کے ذریعے جن کی فائلیں بنائی گئی ہیں' اس قسم کے جرائم کی روک تھام کے سلسلے میں حج کے اثرات کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

حج کی قدر و قیمت' اور دینی تربیت کی اہمیت جاننے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہم آج کے مغربی معاشرے میں جنسی روابط کی صورتحال پر ایک نظر ڈالیں:

''۱۹۶۰ء کے عشرے میں امریکی ماہرین عمرانیات (Sociologists) کے ایک گروہ میں یہ شوق پیدا ہوا کہ (معاشرے میں ایک) جنسی انقلاب پیدا کیا جائے' ان لوگوں نے اس سوچ اور فکر کی ترویج اور تبلیغ کی کوشش کی کہ آزاد جنسی روابط کے سلسلے میں کسی بھی قسم کے ضوابط اور قوانین اور اس حوالے سے حدود اور پابندیاں جو آزادانہ جنسی لذت اندوزی میں مانع ہوں' وہ ایک قسم کی ''taboo'' ہیں۔ یعنی یہ ایسی توہماتی اور بے بنیاد پابندیاں ہیں جو بشر کی

۱۔ مجموعۂ آثار استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ۔ ج ۱۹۔ ص ۵۳۱

ابتدائی حیات اور ثقافت وتمدن سے عاری زندگی کی باقیات میں سے ہیں' لہٰذا ان پابندیوں کو ختم کر دینا چاہیے۔"

آج کا مغربی معاشرہ اسی سوچ اور انقلاب کا نتیجہ ہے' البتہ انیس سو ساٹھ کی دہائی سے پہلے بھی یہاں کوئی مثالی صورتحال نہ تھی۔ طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح' ہر سال ناجائز اور بے سرپرست بچوں کی شرح پیدائش میں اضافہ' خاندان کی تشکیل کے سلسلے میں بے رغبتی' ہم جنس پرستی کی ذلت' میاں بیوی کی ایک دوسرے کے ساتھ خیانت اور ہزاروں جرائم اور برائیاں اور ایڈز جیسی خطرناک بیماری مغرب کی اسی آزادی اور جنسی بے رواہ روی کا نتیجہ ہیں۔ اگر ہم اُس معاشرے میں پائی جانے والی مردوں اور عورتوں کی محرومیوں' ناکامیوں اور دکھ درد' خصوصاً عورتوں کی مظلومیت کا بھی اس میں اضافہ کرلیں' تو اس المیے کے اور بھی پہلو مزید واضح ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ جنسی بے راہ روی کے سبب ایڈز جیسی مہلک بیماری کا پھیلاؤ بھی اہلِ مغرب کی خود اپنے ہاتھوں لگائی ہوئی اس تباہ کُن آگ کے شعلوں کو قابو نہیں کر سکا۔

آیئے ہمیں ایک مرتبہ پھر حج کی جانب لوٹنے کی اجازت دیجیے' اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں پر' خصوصاً نعمتِ اسلام پر اُس کا شکر ادا کرتے ہوئے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی آواز میں آواز ملا کر خلوصِ دل کے ساتھ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کرنے دیجیے کہ:

"اِلٰهِی کَفٰی بِی عِزًّا اَنْ اَکُوْنَ لَکَ عَبْدًا، وَ کَفٰی بِی فَخْرًا اَنْ تَکُوْنَ لِی رَبًّا، اَنْتَ کَمَا اُحِبُّ، فَاجْعَلْنِی کَمَا تُحِبُّ."

"بارالٰہا! میرے لیے یہی عزت بہت ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں' اور یہی افتخار کافی ہے کہ تو میرا رب ہے۔ تو ویسا ہی ہے جیسا میں چاہتا ہوں' پس مجھے بھی ویسا ہی بنادے جیسا تو چاہتا ہے۔"(۱)

۱۔ مفاتیح الجنان۔ حضرت کی منظوم مناجات کے ضمن میں۔

الوداعی ملاقات

مسجد الحرام کے مخصوص اعمال انجام دینے' منیٰ میں بیتوتہ کرنے اور گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے بعد اعمالِ حج اختتام کو پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد عموماً حجاج کرام کچھ دن اور مکہ میں ٹھہرتے ہیں' اور واپس اپنے وطن روانگی کی تاریخ' یا مدینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر اور جنت البقیع میں مدفون ائمہ علیہم السلام کی قبور کی زیارات کی خاطر اپنی مدینہ روانگی کی باری کے منتظر ہوتے ہیں۔

جس قدر کعبہ سے پہلی ملاقات حیرت انگیز اور شیریں تھی' اُسی قدر کعبہ سے وداع بھی افسوس ناک اور تلخ ہے۔ حاجی کے لیے کعبہ سے وداع ہونا' ایسا ہی ہے جیسے اپنے پرانے اور جگری دوست سے وداع ہونا' یا ایک ایسی ماں کے اپنے فرزند سے وداع ہونے کی مانند ہے جسے یہ احتمال ہو کہ یہ اُس کی اپنے فرزند سے آخری ملاقات ہے' اس کے بعد پھر وہ اپنی زندگی میں کبھی اپنے بچے کو نہ دیکھ پائے گی۔ اس سادہ اور پاک وصاف گھر میں جو ساحرانہ کشش پائی جاتی ہے' اسے نہ تو بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سنا جا سکتا ہے' البتہ وہاں پہنچ کر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

وصف قد و بالای تو ہرگز نتوان گفت

جز اینکہ قد افرازی و گویم کہ چنین است (۱)

۱۔ تیرے قد و قامت اور عظمت کی توصیف ممکن ہی نہیں مگر یہ کہ کہا جائے کہ سب سے اونچا مقام تیرے لیے ہے۔

حجاج کرام کے خانۂ کعبہ سے وداع کا منظر پورے روئے زمین پر ایک تعجب انگیز' لطیف' عمیق انسانی اور الٰہی منظر ہے۔ جس قدر اس گھر سے دل جوڑنا آسان تھا' اتنا ہی اس سے دل ہٹانا سخت ہے۔ بقول حافظ شیرازی:

من از دست غمت مشکل برم جان

ولی دل را تو آسان بردی از من (۱)

کعبہ کے پہلو میں آپ کعبہ اور ربِ کعبہ میں کھوئے ہوئے ہیں' لیکن جب کبھی کبھی ہوش میں آتے ہیں اور اپنے اطراف نگاہ دوڑاتے ہیں' تو پھر دوسروں میں کھو جانے کی باری آتی ہے! گوشہ و کنار میں کثرت کے ساتھ تنہا مردوں اور عورتوں کو دیکھتے ہیں جو کھڑے ہوئے مسلسل کعبہ کو دیکھ رہے ہیں' اور اُن کی آنکھوں سے برسنے والے آنسو اُن کے رخساروں پر جاری ہیں' وہ ایک لمحے کے لیے بھی کعبہ سے اپنی نگاہیں نہیں ہٹاتے اور اُن کے گریہ وزاری کی آواز پل بھر کے لیے بھی نہیں تھمتی۔

ان لوگوں کو دیکھنا' اور اِن کی اندرونی کیفیات جاننے کی کوشش کرنا' ایک اور ہی دنیا ہے' یہ ایک ایسی کوشش ہے جو کسی نتیجے تک نہیں پہنچتی' کوئی یہ بات نہیں جان سکتا کہ یہ اتنے سارے مرد اور عورتیں اپنے دل میں کعبہ اور ربِ کعبہ سے کیا کہہ رہے ہیں' یہاں تک کہ خود وہ لوگ بھی یہ بیان نہیں کر سکتے کہ ان کے دلوں پر کیا گزر رہی ہے۔

اس سے پہلے سعی اور طواف کے دوران' زیادہ تر دعائیں پڑھتے ہیں' جو عربی زبان میں ہوتی تھیں' لیکن اب وداع کے موقع پر اکثر حجاج اپنی مادری زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنے دل کی باتیں کہنا چاہتے ہیں' سادہ اور دل کی گہرائیوں میں موجود باتیں' اور چاہتے ہیں کہ الوداع کہنے کے اس موقع پر اپنے رب سے دردِ دل بیان کریں' اپنے دل کے راز کہیں۔ ہر شخص کے اپنے راز اور اپنے درد ہوتے ہیں' اور اپنے قلبی جذبات و احساسات صرف اپنی

۱۔ تیری جدائی کے غم میں میرا جینا دشوار ہے' لیکن تو نے تو بہت آسانی سے میرا دل چرا لیا ہے۔

مادری زبان میں اور اُس لہجے میں جس میں ہر کوئی آسانی' بے تکلفی اور فطری انداز سے اپنے شہر یا دیہات میں گفتگو کرتا ہے' بیان کیے جا سکتے ہیں۔

حجرِ اسماعیل میں مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک خاتون نے' اپنے سر کو چادر سے ڈھانپ کر اپنا چہرہ کعبہ کی دیوار سے چپکایا ہوا ہے' میں نے اسے یکسر نہیں دیکھا اور اسے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا' لیکن اُس کی آواز اور لہجے سے سمجھ جاتا ہوں کہ وہ ایرانی ہے' خراسانی اور درمیانی عمر کی۔ وہ ایسے گریہ وزاری کرتی ہے' زار و قطار بلند آواز سے رو رہی ہے کہ میرا دل ہل کے رہ جاتا ہے۔ خود میری حالت بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے' لیکن میرے لیے ممکن نہ تھا کہ میں اُس کے نالہ و فغاں' اس کی آہ و بکا' اُس کی گریہ وزاری اور اُس کی چیخ و پکار کو نہ سن سکوں' وہ بلا توقف گریہ کرتی اور بلند آواز سے بات کرتی' گویا وہ سمجھ رہی تھی کہ مسجد الحرام میں اُس کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ وہ کچھ چیزیں مانگتی اور کچھ باتیں کرتی اور مسلسل خدا! خدا! کرتی۔ میں ٹھیک طرح نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ کیونکہ میں وہاں اُس کی باتیں سننے کے لیے نہیں کھڑا تھا' لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی کہیں کہیں سے اُس کی کچھ باتیں سن لیتا ہوں۔ وہ اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتی ہے کہ برسہا برس کے انتظار کے بعد اُس نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور اسے یہاں بلایا' ساتھ ہی وہ اپنی زندگی کی مشکلات اور سختیوں کا ذکر بھی کرتی ہے کہ پچھلے سال اس نے بہت تنہائی اور سختیاں برداشت کی ہیں' اس کے داماد کو کیا پریشانیاں لاحق ہیں' اس کی بیٹیوں اور بیٹوں کو جن کے وہ نام بھی لے رہی تھی کیا مشکلات درپیش ہیں اور اُن کی کیا حاجتیں ہیں' اور گاہے بگاہے ان دعاؤں کے دوران اپنے اسی خراسانی لہجے میں تمام جوانوں کے لیے دعا کرتی ہے' اور اسی خدا! خدا! کرنے اور بے تکان گریے کے دوران' کئی مرتبہ میں نے سنا کہ وہ کہتی ہے: خدا! خدا! ہمارے جوانوں کی حفاظت فرما' خدا! خدا! ہمارے ملک میں بسنے والے جوانوں کی حفاظت فرما۔

سب کا یہی حال ہے' میں دوسروں کی زبان تو نہیں سمجھتا' لیکن یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ سب کے دلوں میں ایک طوفان اور ہنگامہ برپا ہے۔

میں خانۂ کعبہ سے ذرا دور ہو جاتا ہوں' اور کچھ دیر کے لیے مسجد الحرام کے صحن میں بیٹھ

جاتا ہوں اور وہاں سے خانۂ کعبہ کو دیکھتا ہوں۔ میں بھی وداع کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں یقینی طور پر یہ بات جانتا ہوں کہ اس سفر میں اب دوبارہ کعبہ کی زیارت کو نہیں آسکوں گا' اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اپنی زندگی میں پھر کبھی' جس کے متعلق میں نہیں جانتا کہ ابھی کتنی باقی ہے' کعبہ آ پاؤں گا یا نہیں۔

آخر کار کعبہ سے رخصت کی گھڑی آ پہنچتی ہے' میں اُٹھ کھڑا ہوتا ہوں اور اپنے پیروں کو' جو مسجد الحرام سے دور ہونا نہیں چاہتے' گھسیٹتے ہوئے مسجد سے باہر نکالتا ہوں۔ ہمیشہ اور ہر جگہ یہ پیر مجھے لیجاتے تھے' لیکن اس مرتبہ میں ہوں جسے انہیں لیجانا پڑ رہا ہے۔ ہر چند قدم بعد پلٹ پلٹ کر کعبہ کو دیکھتا ہوں' لیکن میرا جی نہیں بھرتا۔ آخری لمحے میں' اُس جگہ سے جس کے بعد میری آنکھیں کعبہ کو نہیں دیکھ سکیں گی' جب میں اسے الوداع کہنا چاہتا ہوں' تو اپنے قریب ایک عمر رسیدہ افریقی خاتون کو دیکھتا ہوں' جو معلوم دیتا ہے کہ انگلستان کی کسی سابق نوآبادی سے حج کو آئی ہے' وہ بڑی معصومیت کے ساتھ' روتے ہوئے اور کعبہ سے وداع کرتے ہوئے' اپنے ہاتھ کو الوداع کہنے کے انداز میں بلند کر کے چند بار ہلاتی ہے اور بچوں کی طرح کہتی ہے "بائے بائے' بائے بائے! میں روتے ہوئے ہنس پڑتا ہوں اور ہنستے ہوئے رو دیتا ہوں۔

عظیم نماز

"الطواف بالبیت صلوۃ."(۱)

حج ایک عظیم نماز ہے' اس سے قبل ہم مقدمے میں اس نکتے کی طرف ایک مختصر سا اشارہ کر چکے ہیں' اور اب اس کتاب کے آخر میں' ایک مرتبہ پھر اسی نکتے کی طرف لوٹتے ہیں' اور اس کے بارے میں ذرا تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں' اور کوشش کرتے ہیں کہ اپنی اس تعبیر "حج عظیم نماز" سے اپنے مقصود کے بارے میں وضاحت کریں۔ جیسے کہ اسی صفحے کے شروع میں مذکور روایت سے بھی حج اور نماز کے درمیان انتہائی قربت اور باہمی تعلق کا پتا چلتا ہے۔ ان دونوں عبادتوں (یعنی حج اور نماز میں) توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے' ہر دو عبادتوں میں خدا کی طرف "توجہ" کا بنیادی مقام ہے۔ اس لفظ کے ظاہری معنی کے اعتبار سے بھی' جو قبلہ رُخ ہو کے کھڑے ہونا اور اپنا رُخ کعبہ کی طرف کرنا ہے' اور باطنی توجہ کے لحاظ سے بھی جو دل کا یادِ خدا میں ہونا ہے۔

دونوں ہی عبادتوں کا آغاز "احرام" سے ہوتا ہے۔ نماز کا احرام سادہ سا ہے' جو نیت کے بعد "اللہ اکبر" یعنی "تکبیرۃ الحرام" کہنے سے شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن حج کا احرام اس سے کہیں زیادہ مفصل اور دشوار ہے۔ دونوں ہی عبادتوں میں احرام باندھنے کے بعد انسان ایک محدود فضا

۱۔ حدیث نبویؐ۔ نقل از مسند احمد بن حنبل۔ ج ۳۔ ص ۴۱۴

میں مقید ہو جاتا ہے' اور ایک حصار بند حد میں محصور ہو جاتا ہے۔ اور اس حصار میں رہتے ہوئے اپنے اوپر کچھ اعمال کو حرام قرار دے لیتا ہے۔

نماز ایک مختصر اور چند لمحوں پر مشتمل حج ہے' جو دور ہی سے کعبہ کی طرف رُخ کر کے' دن اور رات کے اوقات میں' کُل پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ جبکہ حج ایک بڑی' طولانی' مفصّل اور چند دنوں پر مشتمل نماز ہے' جسے قریب سے' کعبہ کے نزدیک' لیکن کعبہ ہی کی طرف رُخ کر کے انجام دیا جاتا ہے' جو ہر اُس شخص پر جو اس کی استطاعت رکھتا ہو' پوری زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہے۔

نماز میں تکبیرۃ الحرام کے بعد ہم چل پھر نہیں سکتے' نہ کوئی چیز کھا پی سکتے ہیں' نماز کے واجب اور مستحب اوراد اور اذکار کے سوا کوئی بات چیت نہیں کر سکتے' سو نہیں سکتے۔ لیکن حج میں' جب ہم ان چند دنوں اور راتوں میں ''مُحرِم'' ہوتے ہیں' تو ہم چل پھر بھی سکتے ہیں' سو اور جاگ بھی سکتے ہیں' بولتے بھی ہیں' کھاتے پیتے بھی ہیں' تجدید وضو بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے اس حرکت اور سکون' تکلّم اور سکوت' کھانے پینے' سونے جاگنے پر نماز کی حالت سے مشابہ ایک حالت احاطہ کیے ہوتی ہے۔ گویا ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہیں' اور اُسی طرح جیسے نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس حاضری کے کچھ آداب کا خیال رکھنے کے پابند ہیں' ویسے ہی یہاں بھی ضروری ہے کہ ہم بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے آداب کا خیال رکھیں۔ مختصر یہ کہ کعبہ کے نزدیک حضور' مسجد الحرام میں اور کعبہ کی طرف رُخ کر کے اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ہونا ایک زیادہ بڑا اور زیادہ قوی حضور ہے' جس کے اپنے خاص آداب ہیں۔

ایک مرتبہ پھر ہم تشبیہ دیتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ کعبہ ایک طاقتور مقناطیسی قطب کی طرح ہے' اور دنیا کے گوشہ و کنار میں موجود مسلمانوں کی مثال لوہے کے باریک ذرّات کی سی ہے' جو اس طاقتور مقناطیسی میدان (magnetic field) کے معمولی اثر سے بھی اپنا رُخ اُس کی طرف کر لیتے ہیں۔

لیکن جب انہی ذرّات کا اس مقناطیسی قطب سے فاصلہ ایک معین مقدار سے کم ہو جاتا ہے' تو پھر یہ صرف اپنی سمت بدلنے پر اکتفا نہیں کرتے' بلکہ اُن کا طرزِ عمل بدل جاتا ہے' یعنی وہ اپنی

جگہ سے حرکت کر کے اُس میں جذب ہو جاتے ہیں' اُس کے گرد گھومتے اور چکر لگاتے ہیں۔

جس طرح لوہے کے ایک ذرّے کی رفتار میں اُس کے مقناطیس سے دور یا قریب ہونے کے اعتبار سے تبدیلی آتی ہے' اسی طرح حج کے لیے آنے والے' اور خانۂ خدا سے نزدیک یعنی اُس کے حرم کی حدود میں موجود شخص کی عبادت میں اور اُس شخص کی عبادت میں بہت فرق ہوتا ہے جو دور سے خانۂ کعبہ کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ نماز' حج کا ایک نمونہ اور اصطلاحاً اُس کا ایک چھوٹا سا ماڈل ہے' جو اپنے گھر میں رہتے ہوئے' ہر شخص کی دسترس میں ہے' جس کے ذریعے وہ ہر دن اور رات اپنے اندر توحید اور خدا پرستی کی روح کو تقویت پہنچا سکتا ہے۔ نماز' حج کا چھوٹا نمونہ ہے نماز' "حج خورد" ہے اور حج "نماز کلاں"۔(۱) گویا حج وہی نماز ہے جسے تقویت دی گئی ہے اور اس نے ایک یا ایک سے زیادہ نئی جہتیں پائی ہیں۔ کئی دنوں پر مشتمل حج' جو زندگی کے مفصل اور پیچیدہ اعمال کے ہمراہ ایک افت وخیز ہے' اُس کے نماز کے ساتھ فرق کی مثال' فضا میں موجود ایک مجسم' قابلِ لمس سہ بعدی (Three Dimensional) حقیقت کے صفحۂ قرطاس پر موجود دو بُعدی عکس کی مانند ہے۔

اس سے قبل ہم عرض کر چکے ہیں کہ "مسجد الحرام' حرموں کا حرم ہے" اور "کعبہ محرابوں کی محراب" اور اب ہم کہتے ہیں کہ "حج' نمازوں کی نماز ہے"۔ جو توقعات ہم نماز سے رکھتے ہیں' وہی توقعات ہمیں حج سے بھی رکھنی چاہئیں' البتہ ایک زیادہ شدید اور زیادہ دیر تک باقی رہنے والی تاثیر کے ہمراہ اور زیادہ گہرے باطنی اور روحانی اور زیادہ وسیع اجتماعی پہلوؤں کے ساتھ۔ نماز کے بارے میں ہم قرآن کریم میں پڑھتے ہیں:

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ"

۱۔ وہ لوگ جو مختلف علوم میں مائیکرو Micro یعنی خورد یا چھوٹا اور Macro یعنی کلاں یا بڑا کی اصطلاحات سے واقف ہیں' وہ یہاں خورد اور کلاں کے الفاظ سے وہی معنی مراد لیں۔

''یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے' اور اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے۔'' (سورۂ عنکبوت ۲۹۔ آیت ۴۵)

انسان پر نماز کی تاثیر دو پہلوؤں کی حامل ہے' ایک ایجابی پہلو کی اور دوسرے سلبی پہلو کی۔ نماز کا سلبی پہلو' نماز کا انسان کو گناہوں اور برائیوں اور قرآنی اصطلاح میں فحشا اور منکرات سے باز رکھنا ہے۔ نماز اس بات کا سبب بنتی ہے کہ جس قدر انسان نماز میں توجہ اور حضورِ قلب کو ملحوظ رکھتا ہے' اتنے ہی کم گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ نماز انسان کے اندر تقویٰ کو تقویت پہنچاتی ہے' اور انسان کو شیطانی وسوسوں کے خلاف مزاحمت کی طاقت فراہم کرتی ہے۔

لیکن انسان کے لیے صرف گناہوں کا مرتکب نہ ہونا ہی کافی نہیں' اور یہ نماز کا مکمل فائدہ اور نتیجہ بھی نہیں' بلکہ نماز گزار انسان' نماز سے جو سب سے بڑا اور عظیم فائدہ اٹھاتا ہے' وہ خدا کی جانب توجہ اور اُس کی یاد کا ہمیشہ اُس کے ساتھ ساتھ رہنا ہے' اور قرآنِ مجید کی تعبیر کے مطابق ''ذکر اللہ'' ہے' جو زیادہ اہمیت کا حامل اور برتر و بالاتر ہے۔ فحشا اور منکرات سے دوری بارگاہِ الٰہی میں راہ پانے کی لازمی شرط ہے۔

او را بہ چشم پاک توان دید چون ہلال
ہر دیدہ جای جلوہ آن ماہپارہ نیست (۱)

اب اگر ہم حج کا جائزہ لیں' اور وہاں بھی دیکھیں' تو یہی دو پہلو حج کے تمام اعمال میں موجزن نظر آتے ہیں۔ ایک سلبی اور باز رکھنے والا پہلو' اور دوسرا ایجابی اور تعمیری پہلو۔ محرمات احرام کا خیال رکھنا' حج کے سلبی اور باز رکھنے والے پہلو سے مربوط ہے۔ ظاہری امتیازات اور شناختوں کا خاتمہ' فخر جتانے' غرور' تکبر اور لوگوں کے درمیان امتیاز اور فاصلے پیدا کرنے کا سبب بننے والے لباسِ فاخرہ کو اتار دینا' اپنے گھر بار سے دور ہو جانا' خوشبویات' زیب و زینت اور شریک

۱۔ اسے ہلال کی مانند صرف گناہوں سے پاک نگاہیں ہی دیکھ سکتی ہیں' ہر آنکھ اس ماہ رُخ کا جلوہ دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی۔

حیات سے گریز' غرور آمیز اور جدال انگیز الفاظ سے اجتناب' اسلحہ کو اتار کے رکھ دینا اور آخر کار اپنے سر کے بال منڈوا دینا' یہ سب کی سب باتیں شیطانی حیلوں ہتھکنڈوں سے بچنے کے لیے ایک مشق کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حج کا یہ سلبی اور باز رکھنے والا پہلو سب سے زیادہ ''رمی جمرات'' یعنی شیطان کو کنکریاں مارتے وقت محسوس اور ملموس ہوتا ہے۔ شیطان کو کنکریاں مارنا اور اُسے مخاطب کر کے اُس سے اظہار بیزاری کرنا' فحشا اور منکرات سے گریز کے لیے ہے۔

لیکن اس سلبی پہلو سے زیادہ اہم' حج کا ایجابی پہلو ہے' اور جو حاجی کا روح توحید سے آشنا ہونا' حریم الٰہی کی مقدس حدود میں داخل ہونا' دل میں اُس کی یاد کو بسانا' عاشقانہ اور عارفانہ عبادت کا مزہ چکھنا' اپنے معشوق و معبودِ حقیقی سے راز و نیاز کرنا' بلندی اور کمال پانا' قطرے کی مانند سمندر سے ملحق ہونا' ذرّے کی طرح سورج کو دیکھنا اور نورانی ہو جانا اور ہر چیز کو دوبارہ سے اس روشنی کے سائے میں دیکھنا' ہر چیز کو خدائی رنگ میں ڈھالنا اور خدائی معنی پہنانا ہے۔

حج کے اس مقصد کا ادراک اور مکتبِ حج سے تربیت پا کر نکلنے کے لیے لازم ہے کہ دورانِ حج حضورِ قلب کو ملحوظ رکھا جائے' اُسی طرح جیسے نماز میں بھی حضورِ قلب لازم ہے۔

کیا کہنے اُس حاجی کے' جو حج کے دوران' خانۂ خدا کے نزدیک' حضورِ قلب کا مالک ہو' اور اس گھر کے گرد طواف سے اس کا مقصد اس گھر کے مالک سے اظہارِ عشق ہو' بہت زیادہ مستحب قرار دیے گئے عمل ''استلام حجر'' یعنی حجرِ اسود کو چھونے سے اُس کا مقصد خدا کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہو۔

کیا کہنے اُس حاجی کے' جو اس گھر اور اس میں موجود اسباب و وسائل سے زیادہ اس گھر کے مالک کی طرف متوجہ ہو' اور اسی کے احترام کی وجہ سے وہ اس گھر اور اس کے وسائل کے تقدس کا بھی خیال رکھتا ہو۔

کیا کہنے اُس حاجی کے' جس کا مکہ اور کعبہ آنا' اپنے محبوب کی گلی میں قدم رکھنے کا مقدمہ ہو اور جو اپنے خدا سے یہ کہے کہ:

بہ کعبہ رفتم وزانجا ھوای کوی تو کردم

جمال کعبہ تماشا بہ شوق زوی تو کردم (۱)

جو شخص حج کے راستے اپنے محبوب کے کوچے اور یادِ الٰہی اور ذکرِ خدا کی بارگاہ میں داخل ہوتا ہے وہ ایک ایسی مسرت اور سرور حاصل کرتا ہے جسے کسی قیمت پر بیچنے کو تیار نہیں ہوتا ہے۔

مقیم کوی ترا فسحت حرم تنگ است

زکعبہ تا سر کویت ھزار فرسنگ است (۲)

دلم ضعیف وزھر سو ملامتی چہ کنم

کہ شیشہ نازک وھر جاکہ می روم سنگ است (۳)

لیکن حج کے اس معنوی، باطنی اور عرفانی پہلو پر اس قدر زور اور اس کی اس قدر تاکید اپنی تمام تر اہمیت اور حقانیت کے باوجود ہمیں اس کے اجتماعی اور سیاسی پہلو سے غافل نہ کرے۔ حج ایک عظیم نماز ہے، جو عالمگیر صورت میں باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ ہمیں تاکید کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اپنی یومیہ نمازوں کو اپنے محلے کی مسجد میں دوسرے نمازیوں کے ساتھ باجماعت ادا کریں، اور ہفتے میں ایک مرتبہ دوسری مساجد کے نمازیوں کے ساتھ ایک عظیم ترین نماز یعنی نماز جمعہ میں شرکت کریں، وہاں انتہائی شان وشوکت کے ساتھ خدا کی عبادت کریں اور عبادتِ الٰہی کے درمیان اپنے شہر اور ملک کو درپیش اجتماعی مسائل اور مشکلات کے بارے میں غور وفکر کریں، اُن کی راہِ حل کے بارے میں سوچ بچار کریں۔ اسی طرح ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ایسے ہی عظیم

۱۔ میں خانۂ کعبہ گیا اور وہاں تیرے کوچے کی خوشبو محسوس کی اور تیرے رُخِ زیبا کے دیدار کے شوق میں جمالِ کعبہ کا دیدار کیا۔

۲۔ تیرے کوچے کے مکینوں کے لیے حرم کی حدود تنگ ہیں، کعبہ سے تیرے کوچے تک ہزاروں میل کا فاصلہ ہے۔

۳۔ میرا دل کمزور ہے اور مجھے ہر طرف سے ملامت ہی ملامت ہوتی ہے، میں کیا کروں کہ شیشۂ دل بہت نازک ہے لیکن جہاں بھی جاتا ہوں وہاں پتھر ہی پتھر ہیں۔

اجتماع سال میں دو بار' جشن و تبریک اور مزید جوش و خروش' شوق و اشتیاق کے ساتھ عید فطر اور عید قرباں کے موقع پر منعقد کریں۔ اور پھر ہم سب پر یہ بھی واجب کیا گیا ہے کہ استطاعت کی صورت میں' زندگی میں ایک بار' چاہے ہم دنیا کے کسی بھی مقام پر رہتے ہوں' وہاں سے نکلیں اور اُس نقطے اور مرکز کی طرف آئیں جس کی طرف رُخ کر کے ہم اپنے گھر اور محلے کی مسجد میں اپنی یومیہ نمازوں میں اور جمعے' عید فطر اور عید قرباں کی نمازوں میں کھڑے ہوتے ہیں' اور جسے دیکھے بغیر ہی اُسے دل دیے بیٹھے ہیں' اور پوری دنیا سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ وہاں ایک عالمگیر نمازِ جماعت منعقد کریں۔

وہ عظیم نماز جس کا نام حج ہے' اور خود جس کے اندر جا بجا متعدد اور مختلف نمازوں پر مشتمل اعمال ہیں' جن میں سے بعض نمازِ طواف اور نمازِ طواف نسا کی طرح واجب ہیں' اور بعض مستحب۔ واضح ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس عالمگیر نمازِ جماعت میں' عالمی سطح پر خود کو درپیش مسائل و مشکلات کی نشاندہی کریں۔ حج کو عالمِ اسلام کی مشکلات کے بارے میں فیصلوں اور دنیائے اسلام کے مستقبل کے لیے لائحۂ عمل مرتب کرنے کی فصل (season) اور موقع ہونا چاہیے۔

بہر حال یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چند دنوں پر مشتمل اس مفصّل نماز' جس کا نام حج ہے' اُس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی روزمرہ زندگی ذکرِ الٰہی کے ساتھ گزارنے کی مشق کریں' اپنے (قومی اور علاقائی) لباس' جوتے' ٹوپی اور اسلحہ اتار کر' اپنے بال کاٹ کر اس دنیا سے دل کو ہٹانے کی مشق کریں اور اس قربانی' طواف' سعی' عبادات' راز و نیاز اور خانۂ خدا کے پہلو میں بیٹھ کر ذکرِ خدا کے ذریعے (ہمیشہ اور ہر وقت) یادِ خدا میں رہنے کی مشق کریں' تاکہ حج کر کے واپس لوٹنے کے بعد جب ہم پہلے کی طرح اپنی زندگی میں ڈوب ہو جائیں' اور اپنے (معمول کے) لباس' جوتے' ٹوپی' گھر' بیوی بچوں' کام کاج اور دوسری چیزوں کی طرف لوٹ جائیں' تب بھی روزمرہ زندگی میں اور اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے دوران یادِ خدا سے غافل نہ ہوں اور اس آیۂ قرآن کی مصداق بن جائیں کہ:

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ."

''وہ لوگ جنہیں کوئی کاروبار یا خرید وفروخت ذکرِ خدا سے غافل نہیں کرتا۔''

(سورۂ نور ۲۴۔ آیت ۳۷)

حج ایک الٰہی تربیت ہے' پوری زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ' پوری زندگی کے لیے' تا کہ ہم ہمیشہ حالتِ نماز میں رہیں' ہمیشہ حقیقی احرام کی حالت میں رہیں' یعنی حرام کے مرتکب نہ ہوں' اور محرماتِ الٰہی کی حدود کا پاس ولحاظ رکھیں' اور ہم نے اپنے لیے جو نام اور مقام حاصل کیا ہے' جو عالی شان مکان بنایا ہے' جو قیمتی لباس پہنا ہے' اور جو قدرت وطاقت حاصل کی ہے' اُس کی وجہ سے اپنے آپ کو خدا کے دوسرے بندوں سے الگ نہ سمجھیں' غرور' تکبر اور فخر محسوس نہ کریں۔ اور یہ جان لیں کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے بندگانِ خدا کی مانند ایک قطرہ ہے' ہمیں ان دوسرے قطروں سے مل جانا چاہیے' تا کہ ایک سمندر بن جائیں۔ حج اس لیے ہے کہ ہم اُس شیطان کے ساتھ' جسے ہم نے غیرت اور شدت کے ساتھ کنکریاں مار کر اس سے اپنی نفرت کا اعلان کیا ہے' دوبارہ کبھی دوستی کا رشتہ استوار نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ خدانخواستہ ہم وہ بن جائیں جو ہمیں نہیں بننا چاہیے تھا' اور اس کے باوجود اپنے القابات اور امتیازات کی فہرست میں ایک اور عنوان ''حاجی'' کا اضافہ کرلیں' اور اس نئے عنوان کے ذریعے خدا اور خلقِ خدا سے ایک قدم اور دور ہو جائیں۔

ہم نے سفید لباس میں خانۂ خدا کے گرد طواف کیا ہے' ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اسے ایسا ہی سفید رکھیں (اور اپنے دامن پر بُرائیوں کے داغ نہ لگنے دیں) اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس حدیث کو اپنے ذہن میں رکھیں' جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ

''اَلحاجُّ لا یَزالُ عَلَیهِ نُورُ الحَجِّ ما لَمْ یُلِمَّ بِذَنْبٍ.''[۱]

''حج کا نور اس وقت تک حاجی پر پڑھتا رہتا ہے' جب تک وہ کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو۔''

ہمیں چاہیے کہ حج کے نور کی قدر کریں۔

۱۔ اصولِ کافی۔ ج ۴۔ ص ۲۵۳